ترتیل وقراءت کے اسرار و نکات سے متعلق مشتاقانِ تجوید کے لیے ایک بے نظیر تحفہ

مُصَنِّفَہٗ

خلیفہ تاج الشریعہ حضرت مولانا قاری

محمد افروز قادری چریاکوٹی

فاضل مرکز یونیورسٹی کیرالا

-: شائع کردہ :-

تفصیلات

نام کتاب	:	بَرَکاتُ التَّرْتِیْل
کلمات دعائیہ	:	تاج الشریعہ حضور ازہری میاں قبلہ
کلمات تبریک	:	مبلغ اسلام حضور نعمانی صاحب قبلہ
تقریظ جلیل	:	مولانا قاری احمد جمال قادری
تالیف	:	محمد افروز قادری چریاکوٹی
تصحیح وتحریک	:	مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری
نظر ثانی	:	مولانا قاری احمد جمال قادری
حروف چیں	:	فہمی چریاکوٹی
صفحات	:	۲۱۶
سن اشاعت	:	۱۴۲۵ھ ۲۰۰۴ء
باردوم	:	۱۴۲۸ھ ۲۰۰۷ء
باہتمام	:	تحفظ قراءت اکیڈمی، چریاکوٹ، مئو

شرف انتساب

مجودِ قرآن و مجددِ دین وملت

شیخ الاسلام والمسلمین اعلیٰ حضرت

امام احمد رضا قادری محدث بریلوی قدس سرہ القوی [۱۲۷۲-۱۳۴۰ھ]

.... : کے نام : ....

جنھوں نے مروّجہ وغیر مروّجہ پچاس [۵۰] سے زیادہ علوم وفنون پر طبع آزمائی فرمائی، اور علم تجوید و ترتیل اور قراءت و رسم عثمانی کے فضائل ومسائل کھلی کتاب کی مانند واضح فرمادیے، خصوصاً مسئلہ حرف ''ض'' کی بھر پور تنقیح فرماکر ملت اسلامیہ پر عظیم احسان فرمایا۔ ع :

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

گدا جو :

محمد افروز قادری چریاکوٹی

ان باخدا ہستیوں کے نام۔ جنھوں نے ہر عہد کی ہتھیلی پر اس علم شریف کے مہ و خورشید اُگانے کا خوبصورت اہتمام فرمایا۔

ان اساطین قراءت کے نام۔ جنھوں نے ہر دور کی فضا اس علم شریف کے سرمدی نغموں سے معمور و مسرور رکھی۔

ان ارباب روایت کے نام۔ جنھوں نے اپنے شیوخ کے سرمایۂ علم و عرفان کا روحانی تعلق دیانت تمام کے ساتھ عہد مابعد سے جوڑنے کی سعی محمود فرمائی۔

ان اصحاب طریق کے نام۔ جنھوں نے اخلاص کی جملہ توانائیوں کے ساتھ اس علم شریف کے آفاقیانہ ابلاغ و ترسیل میں کسی قسم کے بخل کو راہ نہ دی۔

بالخصوص حضرت امام عاصم، امام حفص اور امام شاطبی۔ علیہم الرحمۃ والرضوان۔ کی بارگاہ میں یہ غلامانہ کاوش پیش ہے۔ ع:

گر قبول افتد زہے عز و شرف

یکے از اسیرانِ نعمانی :

محمد افروز قادری چریاکوٹی

فہرست

دو باتیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے کارساز قبلہ حاجات کار ہا ⊙ آغاز کردہ ام تو رسانی بہ انتہا

بلاشبہ علم تجوید ایک اہم واعظم اور پرعظمت فن ہے۔ اہمیت کے اعتبار سے اس کی سربلندی یوں کہ اس کی معرفت کے بغیر ہم صحیح معنوں میں " وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا " [مزمل:۴] پر عمل پیرا نہیں ہو سکتے، " اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ " [بقرہ:۱۲۱] کے زمرہ میں شمولیت نہیں پا سکتے اور حلاوتِ قرآنی سے کما حقہ لطف اندوز بھی نہیں ہو سکتے۔ اور پرعظمت اس لیے کہ یہ بلا واسطہ قرآن کے الفاظ وحروف اور اس کی مشق وادا سے متعلق ہے۔

اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کے فروغ وعروج کی بھرپور کوشش کی جائے اور اسے بحیثیت فن رواج دیا جائے تاکہ ہماری پیش آمدہ نسلیں اگر قرآن کا صحیح عرفان حاصل نہ کر سکیں، تو کم از کم 'ماتجوز بہ الصلوٰۃ' کی حد تک صحت قرآن کی پہچان تو کر لیں۔ دراصل یہی سوچ اِس تحریک خامہ کا داعیہ بنی ہے، اور اِسی شوقِ دروں نے کچھ لکھنے پر مجبور کیا ہے۔

اس فن کے اَسرار و نکات سے متعلق مجھ سے پیشتر بہت سے اَربابِ ذوق وبصیرت مستند ومعتبر کتابیں لکھ گئے ہیں (اللہ انھیں اُن کی خدمتوں کا بھرپور اَجر وصلہ عطا فرمائے) میں تو اِس فن کے متقدمین مصنفین کے مقابلہ میں شراکِ نعل کی بھی حیثیت نہیں رکھتا مگر خدا اپنی عطا ونوال کی مینھ برسائے میرے ہادی و مرشد

مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری رضوی مدظلہ النورانی پر کہ انھوں نے اس فن کی تحصیل کی جانب میرے سمند شوق کو مہمیز کیا، اور میری تشنگی شوق کی سیرابی کے لیے ہمہ وقت اپنا درِ جود وا رکھا، بالآخر برسانے والے نے مجھ سے کم تر پر بھی اَبر رحمت کی بھرن برسادی، اور مبدءِ فیاض کی طرف سے یہ توفیق ارزانی ہوگئی کہ اس فن کے تعلق سے بکھرے ہوئے شہ پاروں کی شیرازہ بندی کر کے میں اَرباب فن کے حضور اسے پیش کرسکوں۔ ورنہ میں کہ اپنے جیب وداماں' گل ہائے علم سے خالی پاکر کبھی اس کے لیے ہمت نہ جٹا سکا تھا۔

اس آفاقی فن اور غیر معمولی علم سے عوام وخواص کی بے اعتنائی وتغافل کی روداد بلاخیز حضور نعمانی صاحب قبلہ کی زبانی اکثر میں سنا کرتا تھا۔ مگر میرا آہوے شوق خوشی سے بھولے نہیں سمارہا ہے کہ آج مجھ سے اپنے مرشد کی کشت ہاے آرزو کی شادابی کا سامان ممکن ہوسکا ہے، اور اُن کے خواب ہاے دیرینہ کی تعبیر' میں لاسکا ہوں۔

تحدیث نعمت کے طور پر قارئین کی جناب میں عرض کرتا چلوں کہ اس کتاب میں آپ کو کچھ ایسی نکات آفریں باتیں ملیں گی اور جابجا ایسے گراں قدر حواشی کے گل بوٹے نظر آئیں گے کہ فن کی عام کتابوں کا دامن اُن سے خالی ہے۔ اس کے ساتھ ہی عربی نا آشنا حضرات کی سہولت کے لیے فنی اِصطلاحات اور اَدَق کلمات پر اِعراب سازی بھی کردی گئی ہے تاکہ رزم گاہِ تحقیق میں تابِ مقاومت نہ رکھنے والی طبیعتیں اوّل نگاہ ہی میں جمالِ حقیقت سے آشنا ہوجائیں۔ حواشی کی ترتیب میں نہایۃ القول المفید، شرح سبعہ قراآت، فتح الرحمٰن شرح خلاصۃ البیان، اور معلم الاداء فی الوقف والابتداء وغیرہ کتابوں سے مدد لی گئی ہے، اور زیادہ تر حواشی 'لمعات شمسیہ حاشیہ فوائد مکیہ' سے مستفاد ہیں۔

تاج الشریعہ ابو عسجد حضور علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری۔ مداللہ ظلہ العالی۔ نے بسیارِ کار، ہجوم افکار اور طبیعت کے ناساز گار ہونے کے باوجود اس کتاب کو چیدہ

چیدہ مقامات سے ملاحظہ فرمایا، حسب ضرورت اصلاحیں فرمائیں اور ساتھ ہی کلمات دعائیہ تحریر فرما کر اس کتاب کو سند اعتبار عطا کیا۔ استاذ القراء مجود عصر حضرت مولانا قاری مقری احمد جمال القادری مصباحی دام ظلہ کی اصاغر نوازیاں اور رہنمائیاں بھی اس سلسلے میں چراغ رہ گزر کا کام دیتی رہی ہیں۔ ان کرم فرمائیوں کے ستائش خواں درحقیقت درونِ دل چھپے میرے وہ جذبات ہیں جن کی تعبیر حرف وصوت سے آشنا نہیں ہو سکتی ـــــ اپنے اُن اساتذہ اور والدین کا بھی ممنون ہوں جن کا احسانِ تعلیم وتربیت میری ہر دینی وعلمی خدمت کا سنگ بنیاد ہے۔ اور اپنے ان تمام احباب واعوان کے حضور میری جبین شکر خم ہے جنھوں نے اس کتاب کی نقل وتبییض، طباعت واشاعت اور ترتیب وتبویب میں کسی طرح کا بھی تعاون کیا- مجھے نیک مشوروں سے نوازا- یا کم از کم میری حوصلہ افزائی فرمائی۔

اخیر میں ناظرین وقارئین سے التماس ہے کہ اس کتاب میں میری کم علمی کے باعث قدم قدم پر لغزشیں نظر آئیں گی مگر امید ہے کہ اصلاح فرما کر مجھے مشکور کریں گے۔ ساتھ ہی یہ بھی عرض ہے کہ ما قال پر نگاہِ توجہ فرمائی جائے، اور من قال کو نہ دیکھا جائے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ محض اپنے فضل وکرم اور اپنے حبیب پاک ﷺ کی لطف وعنایت سے میری اِس ادنیٰ سی کوشش کو خلعتِ قبولیت عامہ بخشے اور اس کو میرے والدین آب وگل اور پدرانِ جان ودل دونوں کی مغفرت کا سبب اور خود میرے لیے توشۂ آخرت بنائے۔ آمین یا رب العالمین بجاہِ حبیبہٖ رحمۃ للعالمین علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ أکرم التحیۃ والتسلیم ...

:- راقم -:

محمد افروز قادری چریاکوٹی

۱۵ / جمادی الاولی۔ ۱۴۲۵ھ

جامعۃ الرضا- بریلی شریف

کلماتِ دعائیہ

تاج الشریعہ فقیہ الاسلام حضور علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری -مدظلہ-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم و آلہ و صحبہ اجمعین

میں نے عزیز گرامی قدر' مولانا قاری محمد افروز قادری چریاکوٹی سلمہٗ کا رسالہ ''**برکات الترتیل**'' ان سے چند مقامات سے پڑھوا کر سنا، ان کی کاوش پسند آئی۔ مجھے اپنی علالت کی وجہ سے پوری کتاب کو بغور دیکھنے کی فرصت نہیں۔

دعا گو ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی کتاب کو اسم بامسمّٰی بنائے، اور ترتیل وتجوید قرآن کے انوار و برکات عام فرمائے، اور عزیز موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے، برکات دارین سے نوازے۔

فقیر محمد اختر رضا قادری ازہری غفرلہ

۱۱/رجب ۱۴۲۵ھ
۲۸/اگست ۲۰۰۴ء

ہدیہ تبریک و دعائے تحسین

مبلغ اسلام، مصلح ملت حضرت علامہ مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری -مدظلہ-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم وآله و صحبه اجمعین الی یوم الدین.

زیر نظر کتاب ’’برکات الترتیل‘‘ عزیز القدر مولانا قاری محمد افروز قادری چریاکوٹی -زید مجدہ- کی قلمی کاوش کا نتیجہ ہے، جسے انھوں نے ’’جامعۃ الرضا‘‘ بریلی شریف میں تدریسی خدمات کے دوران تصنیف کیا ہے۔ یہ قراءت و تجوید کے ضروری اور اہم مباحث پر مشتمل ہے، اور اپنے انداز کی بہترین کتاب ہے۔ جو صرف یہی نہیں کہ شعبہ تجوید کے طلبہ کے لیے مفید ہے بلکہ علوم دینیہ سے تعلق اور دلچسپی رکھنے والے تمام ہی افراد کے لیے اہمیت کی حامل ہے۔ خصوصاً آج کے دور میں جب کہ تجوید و قراءت سے غفلت بڑھتی جا رہی ہے، بعض اچھے خاصے اہل علم بھی اس فن شریف سے ناواقفِ محض نظر آتے ہیں، اور کثیر تعداد میں ائمہ مساجد تجوید کے ضروری مسائل تک سے نابلد دیکھنے میں آتے ہیں، اس جیسی کتاب کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ اس سلسلے میں مصنف مبارک باد کے مستحق ہیں۔

اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں تجوید کے ضروری قواعد اور رموز و اسرار کے بیان کے ساتھ فن تجوید کی اہمیت پر بھی بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے، جب کہ تجوید کی اکثر کتابیں صرف مسائل تجوید سے ہی تعلق رکھتی ہیں۔

اعلیٰ حضرت، مجدد ملت امام احمد رضا محدث بریلوی –قدس سرہ– [۱۳۴۰ھ] نے جو تمام علوم وفنون میں یکساں مہارت کے حامل تھے "فتاوی رضویہ" میں متعدد مقامات پر علم تجوید کی اہمیت بیان فرمائی ہے اور جہاں ضرورت واقع ہوئی تجوید کے مسائل سے بھی بحث کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت –قدس سرہ– فن تجوید کے بھی امام تھے۔ آپ فرماتے ہیں :

دیکھئے اتنی تجوید کہ ہر حرف دوسرے سے صحیح ممتاز ہو فرضِ عین ہے، بغیر اس کے نماز قطعاً باطل ہے۔ عوام بے چاروں کو جانے دیجیے، خواص کہلانے والوں کو دیکھئے، کتنے اس فرض پر عامل ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ: ج اول، ص: ۵۵۵ مطبوعہ مطبع اہل سنت بریلی)

اور قطب العالم سرکار مفتی اعظم ہند حضرت علامہ شاہ مصطفےٰ رضا نوری بریلوی –قدس سرہ العزیز– [۱۴۰۲ھ] اپنے فتاوی میں ایک سوال کے جواب میں کہ "ایک شخص کہتا ہے کہ قراءت سیکھنا جھگڑا ہے" ارشاد فرماتے ہیں :

اتنی قراءت سیکھنا جس سے آدمی قرآن عظیم صحیح پڑھے فرض ہے، جس نے اس سے منع کیا اس نے فرض سے روکا، اور ایک فرض کو جھگڑا بتایا، اس پر توبہ فرض ہے، اسے تجدید ایمان وتجدید نکاح وغیرہ بھی چاہیے۔ بہت بد کلمہ اس کی زبان سے نکلا۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ .

(فتاویٰ مصطفویہ: صفحہ ۴۷– رضا اکیڈمی، ممبئی)

حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ علامہ شاہ مفتی محمد امجد علی اعظمی –قدس سرہ العزیز– [۱۳۶۷ھ] نماز میں قرآن شریف پڑھنے کے آداب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فرض میں ٹھہر ٹھہر کر قراءت کرے، اور تراویح میں متوسط انداز پر اور رات کے نوافل میں جلد پڑھنے کی اجازت ہے ــــــ مگر ایسا پڑھے

کہ سمجھ میں آسکے۔ یعنی کم سے کم مد کا جو درجہ قاریوں نے رکھا ہے اس کو ادا کرے ورنہ حرام ہے۔ اس لیے کہ ترتیل سے قرآن پڑھنے کا حکم ہے۔ (درمختار و ردالمحتار)

آج کل اکثر حفاظ اس طرح پڑھتے ہیں کہ مد کا ادا ہونا تو بڑی بات ہے، یعلمون تعلمون کے سوا کسی لفظ کا پتہ بھی نہیں چلتا، نہ تصحیح حروف (یعنی حرفوں کی مخارج سے صحیح طور پر ادائیگی) ہوتی ہے، بلکہ جلدی میں لفظ کے لفظ کھا جاتے ہیں، اور اس پر تفاخر (فخر کا اظہار) ہوتا ہے کہ فلاں اس قدر جلد پڑھتا ہے۔ حالاں کہ اس طرح قرآن مجید پڑھنا حرام وسخت حرام ہے۔

ساتوں قراءتیں جائز ہیں، مگر اولیٰ یہ ہے کہ عوام جس سے نا آشنا ہوں وہ نہ پڑھے کہ اس میں ان کے دین کا تحفظ ہے۔ جیسے ہمارے یہاں قراءتِ امام عاصم بروایت حفص رائج ہے، لہٰذا یہی پڑھے۔
(درمختار، ردالمحتار - بہار شریعت: ج ۳-ص ۹۹، ۱۰۰ فاروقیہ، دہلی)

مزید فرماتے ہیں :

ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھنا اگر اس وجہ سے ہے کہ اس کی زبان سے وہ حرف ادا نہیں ہوتا تو مجبور ہے، اس پر کوشش کرنا ضروری ہے۔ اگر لاپرواہی سے جیسے آج کل کے اکثر حفاظ وعلما کہ ادا پر قادر ہیں مگر بے خیالی میں تبدیلِ حرف کر دیتے ہیں۔ (یعنی حرف بدل دیتے ہیں، کچھ کا کچھ پڑھ دیتے ہیں) تو اگر معنی فاسد ہوں تو نماز نہ ہوئی، اس قسم کی جتنی نمازیں پڑھی ہوں ان کی قضا لازم۔

ط ، ت ، س ث ص ، ذ ز ظ ، ا ء ع ، ہ ح ، ض

ظ د ان حرفوں میں صحیح طور پر امتیاز رکھیں، ورنہ معنی فاسد ہونے کی صورت میں نماز نہ ہوگی، اور بعض تو س ش ، ز ج ، ق ک میں بھی فرق نہیں کرتے۔

لحن کے ساتھ قرآن پڑھنا حرام ہے اور سننا بھی حرام۔ مگر مد ولین میں لحن ہوا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اگر فاحش نہ ہو کہ تان کی حد تک پہنچ جائے۔ (عالمگیری - بہار شریعت: ۱/۱۰۸)

مذکورہ بالا ارشادات سے تجوید کی فرضیت و اہمیت بخوبی واضح ہے۔ لہٰذا اس سے غفلت نمازوں کی بربادی کا سبب ہے۔ آج جو لوگ اس فن سے غفلت برتتے ہیں وہ سبق لیں، بیدار ہوں، اور اپنی کوتاہیاں دور کریں، جو بھی اس فن تجوید کا ماہر ملے بلا تکلف اس سے استفادہ کریں، شرم نہ کریں، اپنی عمر کا لحاظ نہ رکھیں کہ جتنی عمر باقی ہے وہ تو اس سعادت سے محروم نہ رہے اور وبالِ گناہ سے بھی بچنے کا موقع نصیب ہو۔ **و اللّٰہ الموفق و المعین و له الحمد فی الاولین و الآخرین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین و آله و صحبه اجمعین الی یوم الدین.**

دعا ہے کہ مولیٰ عزوجل مصنف عزیز کو مزید خدماتِ دینیہ قرآنیہ کی توفیق مرحمت فرمائے، اوران کے ذریعہ فن تجوید وقراءت کو فروغ بخشے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وآلہ الصلوٰۃ والتسلیم.

محمد عبد المبین نعمانی قادری

دار العلوم قادریہ چریاکوٹ، مئو، یوپی

۲۸/ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ

تقریظ جلیل

استاذ القراء مجود عصر حضرت مولانا قاری مقری احمد جمال القادری الاعظمی
شیخ التجوید والقراءت: جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی، مئو۔275304

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زینت القراء عزیزی مولانا قاری مقری محمد افروز قادری صاحب چریاکوٹی شیخ التجوید: مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا [بریلی شریف] نے فن قراءت میں اپنی پہلی تصنیف اصلاح اور نظر ثانی کے لیے مجھے دی۔ میں نے اس کتاب کو از اول تا آخر دیکھا، ماشاءاللہ کتاب بیحد پسند آئی ــــــ میں قاری صاحب کا ایک عرصہ سے صرف نام ہی سنا کرتا تھا وہ بھی مولانا اور مقالہ نگار کی حیثیت سے، لیکن جب شیخ طریقت، تاج شریعت حضور ازہری میاں قبلہ ۔ دامت برکاتہم القدسیہ۔ نے گیارہ شوال ۱۴۲۲ھ کو ہوئے انٹرویو کے بعد اپنے جامعہ میں تدریس کے لیے ان کا انتخاب فرمایا تب مجھ پر یہ عقدہ کھلا کہ آپ قاری بھی ہیں ــــــ جب کتاب کو ژرف نگاہی سے دیکھا تو پتا چلا کہ آپ اس فن کے بھی بہترین ماہر اور رمز شناش ہیں ــــــ کتاب دیکھ کر دل اس قدر خوش ہوا کہ اس

کی تعبیر الفاظ کے ذریعہ ممکن نہیں۔عزیز موصوف نے اسے نہایت مدلل ومفصل اور تجوید ووقف کے ہراک مسئلہ کو بڑی چھان بین کے بعداور پوری تحقیق وذمہ داری کے ساتھ تحریر کیا ہے،ساتھ ہی مشکل اصطلاحات وکلمات پراعراب اور گنجلک مقامات پر تحشیہ نے تو کتاب میں جان پیدا کردیا ہے۔

میں اُن کی کوشش وکاوش کی دل سے قدر کرتا ہوں،اور امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کتاب مستطاب سے طلبہ کرام سے زیادہ قاری ومقری حضرات مستفیض ومستفید ہوں گے۔

دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کتاب کومقبول اَنام بنائے،مولانا موصوف کو اس فن شریف سے لگے رہنے اوراس فن پر جم کر کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اوران کے علم وعمل وعمر میں بے پناہ برکتیں عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

:- طالب دعا :-

احمد جمال القادری الاعظمی

خادم القراءت: جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی، مئو

۳۰ر اگست ۲۰۰۷ء بروز دوشنبہ

مُقَدّمَہ

أيــا قــارئَ القُــران أحسـن أداءهٗ

يضاعف لک اللّٰہ الجزيل منَ الأجر

اس حقیقت سے بھلا کس کو انکار ہوگا کہ دنیا میں سب سے زیادہ تعظیم و توقیر ربانی نوشتوں کی کی جاتی ہے۔ قرآن مجید بلاشبہہ اللہ رب العزت کا کلام ہے، جو ہر قسم کے تغیر و تبدل، حذف و اضافہ اور ترمیم و تنسیخ سے پاک ہے۔ اس کی ایک ایک چیز محفوظ، حتیٰ کہ اس کی صحت ادا تک محفوظ ہے۔ قادر مطلق کی قدرت ہے کہ اس نے اپنی کتاب کی حفاظت کے لیے اپنے بندوں ہی میں سے کچھ کو چن لیا چنانچہ الفاظ کی حفاظت تو حفاظِ کرام کے ذمہ لگائی، قراءتِ متواترہ کا تحفظ گو الفاظِ قرآن ہی کا ایک حصہ ہے مگر یہ کام فن تجوید کے ماہر قراے عظام سے لیا اور ایسے ہی قرآن کی وہ صحت ادا جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو سکھائی تھی جو کہ ایک لطیف ترین فن ہے وہ بھی آج تک قراء اور مجودین کرام کے ذریعہ چلی آرہی ہے اور انشاء اللہ قرآن کے ساتھ ساتھ باقی رہے گی۔ اور یہ سعادت اَرزانی صرف اور صرف اسی صحیفۂ آسمانی کا حصہ ہے کہ اس عالم رنگ و بو میں کروروں سے زیادہ انسان اس کے حافظ ہیں اور دنیا میں سب سے زیادہ پڑھا جانے والا کلام بھی یہی ہے۔ ظاہر ہے جو کتاب اتنی عظیم و جلیل اور محترم و پُرعظمت ہو اس کے پڑھنے کے طور اور اس کی تلاوت و قراءت کے آداب بھی اتنے ہی اہم و اعظم ہوں گے۔ چنانچہ خود کلام الٰہی کی اس آیت پاک سے تلاوت قرآن کی

اہمیت وعظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے : لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ [الواقعۃ:۷۹] باوضو حضرات ہی اسے چھوئیں ——— اور منبع اسرارِ قرآنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تو قرآن پاک کو ترتیل وتجوید کے ساتھ پڑھنے کا صاف اشارہ دے رہا ہے : رُبَّ قَارِئٍ [1] لِلْقُرآنِ وَالْقُرْآنُ یَلْعَنُهٗ ، یعنی بہت سے قرآن خواں ایسے ہیں کہ (غلط [2] پڑھنے کی وجہ سے) قرآن پاک ان پر لعنت کرتا ہے۔ حدیث رسول کا مقصود یہ ہے کلمات قرآن کیسے ادا کیے جائیں، الفاظ وحروف کس طرح زبان سے نکالے جائیں، قرآن پڑھتے ہوئے قاری کس مقام پر کب اور کیسے ٹھہرے، یہ ایسے امور ہیں کہ ایک قرآن خواں کا ان سے آگاہ ہونا از حد ضروری ہے، تاکہ اس کی قراءت، قلب وجگر میں وجدانی کیفیت اور فکر ونظر میں روحانی بالیدگی پیدا کر سکے، اور اس کے نتیجے میں وہ پورے طور پر معانی قرآن اور مفاہیم فرقان سے لطف آشنا اور کیف اندوز ہو سکے، اسی کو اصطلاح میں علم تجوید کا نام دیا گیا ہے۔

علمائے ربانیین نے قرآن مجید کے مطالب ومعانی، صِیَغ والفاظ، اِعراب وبِنا، رسم الخط، طُرقِ ادا، احکام ظاہرہ، اشارات باطنہ اور قراآتِ مختلفہ کے تحفظ اور اس کے محاسن ومحامد کو اجاگر کرنے کے لیے بے شمار علوم وفنون ایجاد کیے، جن سے قوم مسلم قیامت تک راہ نمائی حاصل کرتی رہے گی، علم تجوید انھیں علوم میں سے ایک

---

(۱) رُبَّ قَارِئٍ سے تین قسم کے لوگ مراد ہیں، ایک وہ جو لفظ میں غلطی کریں، دوسرے جو معنی میں تغیر کریں اور تیسرے وہ جن کا عمل قرآن کے خلاف ہو اور قرآن مجید کو تجوید سے نہ پڑھنا یہ بھی اسی میں داخل ہے۔ ۱۲ محمد افروز قادری چریاکوٹی۔ غفر لہ ربہ القوی۔

(۲) غلطیاں کئی طرح کی ہوتی ہیں۔ بعض مرتبہ معنی کا فساد نماز کے فساد کا باعث بن جاتا ہے۔ جیسا کہ شرح منیہ میں ہے کہ اگر کسی نے اللّٰہ الصمد میں صاد کی جگہ سین پڑھ دیا تو نماز فاسد ہو گئی جو سجدۂ سہو سے بھی صحیح نہیں ہو سکتی، دوبارہ نماز اور قرآن مجید صحیح پڑھے، صاحب روح البیان نے اپنے اس قول میں اسی حقیقت کو باور کرانے کی کوشش کی ہے: لا تجوز الصلوٰۃ بدون التجوید . یعنی قواعد تجوید کی رعایت کیے بغیر نماز پڑھنا درست نہیں۔ مگر متاخرین علما عموم بلوی کی سے اسے وجہ فسادِ نماز نہیں گردانتے۔ ۱۲ منہ

اہم علم ہے۔اس علم کو غیر معمولی اہمیت اس لیے بھی حاصل ہے کہ یہ بلا واسطہ کلام الٰہی کی تلاوت اور اس کے الفاظ و حروف سے متعلق ہے۔

دراصل علم تجوید ان قواعد اور اصول کا نام ہے جن کی معرفت ورعایت سے حروف قرآنیہ اس ترتیل کے موافق ہو جائیں جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں دیا ہے: وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؕ [مُزمّل:۴] اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی صرف تلاوت مقصود نہیں بلکہ اصل ترتیل مطلوب ہے جس میں ہر ہر کلمہ صاف صاف، جدا جدا اور صحیح ادا ہو۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے پیش نظر ہر ایک قاریِ قرآن پر کلام اللہ بالترتیل پڑھنا واجب ہے۔ اور اَجر وثواب کا ترتب اسی وقت ہوگا جب قرآن مجید موافق نزول اور مطابق ماموربہٖ پڑھا جائے۔

خلاصۃ البیان میں تجوید کی تعریف یوں مذکور ہے :

التجوید عبارة عن أدائه كما أنزل . (خلاصۃ البیان:ص۴)

یعنی تجوید یہ ہے کہ کلام اللہ موافق نزول پڑھا جائے۔

اسی کتاب میں تجوید کی تعریف کچھ اس طرح بھی کی گئی ہے :

التجويد اداء كأداءِ الرسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و وجوه الأداء عنه الينا منقول ولا دخل للرأي فيه . (خلاصة البیان: ص۸)

یعنی تجوید اس طرزِ ادا کو کہتے ہیں جیسے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کلام اللہ کو ادا فرماتے تھے، اور کلام اللہ کی ادائیں یعنی ادغام واظہار، اقلاب واخفا اور ترقیق وتفخیم وغیرہ سب کے سب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور اس میں کسی کی عقل و رائے کو ذرہ بھر دخل نہیں۔

جب کہ معلم التجوید للمتعلم المستفید میں تجوید کی تعریف ایسے ملتی ہے:

هو أداء الحروف من مخارجها الخاصة لها من جميع صفاتها اللازمة و العارضة بسهولة و بغير كلفة .

یعنی حرفوں کو ان کے مخارج مقررہ اور جملہ صفات لازمہ وعارضہ سے بآسانی وبلا تکلف ادا کرنا۔

بہر حال ان تمام تعریفوں کا ماحصل یہی ہے کہ قرآن کی تلاوت ایسے انداز میں ہونی چاہیے جس سے ملک الکلام' کلام اللہ اس ترتیل کے موافق ہو جائے جس کا حکم اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیت کریمہ 'وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً' میں دیا ہے۔

امام شاطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس شعر میں یہی بات کہنے کی کوشش کی ہے :

و ما بقياس في القراء ة مدخل　　　فدونک ما فيه الرضا فتكفله

ترجمہ: قراءت میں قیاس کا کوئی دخل نہیں، ناقلین سے جو کچھ پہنچا ہے اسے اختیار کرو۔

اور امام جزری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اپنے اس شعر سے کچھ یہی بتانا چاہتے ہیں۔

لأنــه بــه الالــه أنـزلا　　　و هكذا منه الينا وصـلا

چنانچہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب قرآن پڑھتے تو حروف آپس میں جدا جدا ہوتے تھے، ان کے الفاظ یہ ہیں : فـاذا هي نعتت قراء ة النبي قراء ة مفسرة حرفا حرفا.

(خازن : ۳۲۱/۴– مشکوۃ المصابیح: ۱۹۱–الاتقان: ۲۲۹/۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قراء ت کے بارے میں دریافت کیا گیا' تو آپ نے فرمایا :

لو أراد السامع أن يعد حروفه لعدّها .

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس قدر اطمینان ووقار سے پڑھتے کہ

اگر سننے والا حرفوں کو گننا چاہتا تو بآسانی گن لیتا۔

کمالین حاشیہ جلالین میں آیت کریمہ 'وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً' کے تحت مذکور ہے :

أی علی تؤدة من غیر تعجل بحیث یتمکن السامع من عد اٰیاته و کلماته . (کمالین: ۲/٤٧٦)

یعنی قرآن کو اس طرح آہستہ اور ٹھہر کر پڑھو کہ سننے والا اس کی آیتوں اور اس کے الفاظ کو گن سکے۔

ترتیل کا وجوب عرفاً اور شرعاً دونوں طرح سے ثابت ہے، جس کے ترک سے گناہ لازم آتا ہے۔ پس اگر قرآن خلاف ترتیل پڑھا گیا تو دو طرح کے خوف کا سامنا ہے ایک ترکِ وجوب کا، دوسرے تحریف ادا کا۔ کیوں کہ وحی منزّل کے موافق نہ پڑھنا ہی ایک طرح کی تحریف ہے۔ مثلاً ابدالِ حرف بحرف آخر، ابدال سکون بالحرکۃ یا ابدال حرکت بالسکون وغیرہ ہو جائے۔ اس کا یہ عمل اگر بالقصد ہے تو تحریف کرنے والا بلاشبہہ کافر ہے ورنہ گناہ گار ضرور۔ خلاصۃ البیان میں ہے :

ولزم الاثم علی ترکه لا سیما لمن لا یبالی شانه .

یعنی ترتیل و تجوید کا تارک ضرور گنہ گار ہے بالخصوص وہ شخص جو اس فن شریف کو در خورِ اعتنا نہیں سمجھتا۔

تجوید کی ادائیگی میں مخارج اور صفات لازمہ کا اہتمام تو فرض عین ہے اور صفات محسنہ مزینہ کی ادائیگی استحباب کی منزل میں ہے۔ باعتبار فن اس علم کا حصول فرض کفایہ ہے۔ یعنی عمل تجوید تو فرض عین ہے اور علم تجوید فرض کفایہ ہے۔

اس علم شریف کا ثبوت ادلۂ اربعہ یعنی قرآن، حدیث، اجماع امت اور قیاس چاروں سے ہے۔

کلامُ اللہ سے اس کا ثبوت یہ ہے کہ آیت کریمہ وَ رَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلاً ٥ سے صراحت کے ساتھ اس علم کا واجب ہونا ثابت ہو رہا ہے۔

اور بطور اشارۃ النص کئی آیات سے وجوب تجوید کا ثبوت ملتا ہے مثلاً :

﴿ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ ٥﴾ ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ وَ لَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجاً ٥﴾ ﴿ وَ رَتَّلْنٰہُ تَرْتِیْلاً ٥ ﴾ ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ قُرْاٰناً عَرَبِیّاً ٥ ﴾

حدیث مبارک سے اس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :

ان اللّٰہ یحب أن یقرأ القران کما أنزل .

بلاشبہ اللہ کو یہ پسند ہے کہ قرآن اس طرح پڑھا جائے جس طرح وہ نازل ہوا ہے۔

نیز صاحب نہایۃ القول المفید نے شارح جزری شیخ برہان الدین القلقیلی کے حوالہ سے ایک روایت نقل فرمائی ہے :

و قد صح ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم سمی قاری القرآن بغیر التجوید فاسقاً .

صحیح روایت سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بغیر تجوید قرآن پڑھنے والے کو فاسق گردانا ہے۔

یوں ہی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے :

رب قاری للقرآنِ والقرآنُ یلعنُہ . (احیاء علوم الدین)

بہت سے قرآن خواں ایسے ہیں کہ خود قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔

نیز جزئیات تجوید سے متعلق بھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ آپ ایک شخص کو پڑھا رہے تھے تو اس نے آیت کریمہ: اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسَاكِيْنِ (فقراء کو) بغیر مد کے پڑھا تو آپ نے فرمایا: ما هكذا اقرأنيها رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس طرح نہیں پڑھایا ہے۔

اجماع امت اس کے متعلق علامہ شیخ محمد مکی بن ابی طالب "نهاية القول المفيد" میں تحریر فرماتے ہیں :

قد اجتمعت الامة المعصومة من الخطأ على وجوب التجويد من زمن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الى زماننا ولم يختلف فيه عن احد منهم .... و هذا من اقوى الحجج.

(نهاية القول المفيد: ص ۱۰)

بے شک ساری امت نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر ہمارے زمانہ تک بلانزاع وخلاف' تجوید کے وجوب پر اتفاق کیا ہے، اور کسی کا اختلاف نہ کرنا ہی خود اس کے واجب ہونے کی سب سے قوی ترین دلیل ہے۔

بلکہ امام رازی، علامہ جزری، امام سیوطی، علامہ قسطلانی، علامہ دانی، شیخ مکی بن ابی طالب رحمہم اللہ وغیرہ حضرات نے تو اس علم کی فرضیت کا قول فرمایا ہے۔ سلطان القراء حضرت علامہ علی بن سلطان محمد ہروی قاری مکی حنفی معروف بہ 'ملا علی قاری' شرح جزریہ " المنح الفكريه " میں فرماتے ہیں :

هذا العلم لا خلاف فى انه فرض كفاية والعمل به فرض عين .

عمل تجوید کے فرض عین اور علم تجوید کے فرض کفایہ ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔

کچھ یہی بات مجودِ اعظم امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ عنہ نے بھی فرمائی ہے:

بلاشبہہ اتنی تجوید جس سے تصحیح حروف ہو اور غلط خوانی سے بچے فرض عین ہے۔ (فتاویٰ رضویہ: ۳۴۳/۶)

اس سلسلے میں شیخ مکی بن ابی طالب رحمۃ اللہ کا تجزیہ خوب ہے، وہ فرماتے ہیں:

امام جزری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب 'نشر' میں تجوید کو ہر مکلف پر فرض بتانے کے بعد کہا ہے کہ میں نے تجوید کو فرض اس لیے کہا کہ وہ ائمہ کے نزدیک متفق علیہ ہے بخلاف واجب کے کہ اس میں بعض کا اختلاف ہوا کرتا ہے۔ اور ابن غازی نے شرح جزریہ میں فرمایا کہ تجوید کی فرضیت کا قول کرنے میں ابن جزری تنہا نہیں بلکہ 'موضح' کے مصنف ابو عبد اللہ نصر بن شیرازی، امام فخر رازی اور شیوخ کی ایک جماعت نے بھی اس کی فرضیت کا قول کیا ہے۔ اتقان میں امام جلال الدین سیوطی اور لطائف الاشارات میں حافظ احمد خطیب قسطلانی نے اس کی موافقت کی ہے، ساتھ ہی زہری نے اپنی شرح طیبہ اور مکی بن ابو طالب اور ابو عمرو دانی وغیرہ مشائخ عالم نے بھی (جیسا کہ انھیں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے پہنچی) قراءت کی تحقیق و تدقیق کے متعلق اس کا ذکر کیا ہے۔ نصوص و روایات پیش کرنے کی قدرت کے باوجود ہم نے محض امام جزری کے قول پر اکتفا کرتے ہوئے اسے ترک کر دیا۔ (نہایۃ القول المفید: ۱۱)

محقق جزری ''مقدمۂ جزریہ'' میں فرماتے ہیں:

والأخذ بالتجويد حتم لازم — من لم يجود القرآن آثم

لأنـه بـه الالـه أنــزلا — وهـكـذا منه الينا وصلا

یعنی تجوید کا حاصل کرنا حتمی ولازمی ہے جو شخص قرآن کو تجوید کے ساتھ نہیں پڑھتا، گنہ گار ہے---اس لیے کہ قرآن کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے اس کو تجوید ہی کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور یہ ہم تک تجوید ہی کے ساتھ پہنچا ہے۔

شیخ ابوالعز القلانسی یہی بات اشعار کی شکل میں یوں پیش کر رہے ہیں :

تجویده فرض کا لصلاة　　　جاء ت به الأخبار والأیات

وجاحد التجوید فهو کافر　　　فدع هواه انه لخاسر

قرآن کو تجوید کے ساتھ پڑھنا اسی طرح فرض ہے جس طرح نماز فرض ہے آیات اوراحادیث شاہد ہیں---اور تجوید کا منکر کافر ہے پس تو اس کی خواہش کو چھوڑ، بے شک ایسا شخص خسارے میں ہے۔

قیاس سے اس کا ثبوت یوں ہے کہ معانی موقوف ہیں الفاظ پر اور اوّل کی صحت ثانی کی صحت پر موقوف ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر اوقات اس کے خلاف سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔اس تفصیل سے یہ حقیقت بے غبار ہو گئی ہو گی کہ علم تجوید کا ثبوت ادلۂ اربعہ کتاب وسنت اجماع امت اور قیاس سے ہے۔

مجدد اعظم مجدد اسلام امام احمد رضا قادری محدث بریلوی قدس سرہ اس علم شریف کی شرعی حیثیت اجاگر کرتے ہوئے اور اس فن کی غیر معمولی اہمیت بتاتے ہوئے رقم طراز ہیں :

تجوید بنص قطعی قرآن واخبار متواترۂ سید الانس والجان علیه وعلیٰ آله افضل الصلوٰة والسلام واجماع تام صحابہ وتابعین وسائر ائمہ کرام علیهم الرضوان المستدام حق و واجب در علم دین شرع الٰہی ہے : قال اللّٰه تعالیٰ : وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً. (قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔) (فتاوٰی رضویہ: ۳۲۲/۶، ۳۲۳)

صدر الافاضل فخر الاماثل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر ''خزائن العرفان'' میں آیت مذکورہ کے تحت لکھا ہے :

رعایت وقوف اور ادائے مخارج کے ساتھ اور حروف کو مخارج کے ساتھ تا بہ امکان صحیح ادا کرنا نماز میں فرض ہے۔ (خزائن العرفان: ص ۹۱۸- مجلس برکات مبارکپور)

مفسر مذکور ہی نے آیت کریمہ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا کی تفسیر میں یوں گل فشانی کی ہے:

اللہ تعالیٰ نے ہمیں قراءت میں ترتیل کرنے یعنی ٹھہر ٹھہر کر باطمینان پڑھنے اور قرآن شریف کو اچھی طرح ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ (خزائن العرفان ۵۸۰)

کچھ ایسی ہی بات علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی تحریر فرمائی ہے وہ لکھتے ہیں :

لَا تَجُوْزُ الصَّلٰوۃُ بدونِ التجویدِ .

قواعد تجوید کی رعایت کیے بغیر نماز درست نہیں۔ (روح البیان: ۱۰/ ۲۰۷)

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کو تجوید و ترتیل کے ساتھ پڑھنا واجب ہے کیوں کہ خداوند قدوس کا ارشاد ہے : و رتل القران ترتیلا کہ قرآن کو ترتیل یعنی تجوید کے ساتھ پڑھو۔

دراصل تجوید کے لغوی معنی تحسین یعنی عمدہ بنانے کے ہیں اور اصطلاح میں تجوید ایسے علم کا نام ہے جس کی رعایت سے قرآن شریف نزول کے موافق پڑھا جاسکے۔ کیوں کہ قرآن مجید تجوید ہی کے ساتھ نازل ہوا ہے۔

ملک العلماء حضرت علامہ محمد ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' کی جلد اول میں امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے رسائل و کتب پر تبصرہ کرتے ہوئے علم تجوید کے حوالے سے رقم طراز ہیں :

جس علم میں قرآن مجید کو اچھی طرح تلاوت کرنے سے بحث کی جائے، مخارج حروف اور ان کی صفات کے لحاظ سے اور ترتیل نظم قرآن کی وصل، وقف، مد، قصر، تشدید، تخفیف، قلب اور تسہیل وغیرہ قواعد کے اعتبار سے اس کو علم تجوید کہتے ہیں۔ اس کا موضوع اور غایت ونفع' ظاہر ہے۔ یہ علم فنونِ قراءت کا نتیجہ اور ثمرہ ہے، اور موسیقی کی طرح عملی علم ہے۔ یعنی صرف قواعد کا جان لینا کافی نہیں ہے بلکہ اساتذہ سے سن کر، سیکھ کر اور خود تمام حروف والفاظ کو قواعد مقررہ کے مطابق ادا کرنے کا ملکہ حاصل کرنا (علم تجوید) ہے۔ (حیاتِ اعلیٰ حضرت: ۱/۵۹ مطبوعہ مرکز اہلسنت گجرات)

ترتیل کے لغوی معنی ہیں ٹھہر ٹھہر کے پڑھنا اور اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ حرفوں کو صحیح مخارج وصفات کے ساتھ ادا کیا جائے نیز محل اوقاف وکیفیت وقوف کی رعایت کی جائے تاکہ جب وقف کی ضرورت محسوس ہو تو وقف بے قاعدہ و بے محل نہ ہو۔

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے پوچھا گیا کہ ترتیل کے کیا معنی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا:

تجويد الحروف ومعرفة الوقوف .

یعنی حرفوں کی صحیح ادا اور اوقاف کی شناخت۔

کلام اللہ پڑھنے میں بغیر ان دونوں جزؤں کی رعایت کیے ہوئے نہ کلام اللہ صحیح پڑھا جاسکتا ہے اور نہ ہی ترتیل مکمل ہوسکتی ہے یعنی قرآن اگر صرف تجوید سے پڑھا گیا اور وقف خلاف قاعدہ اور بے محل کیا گیا تو ایسے شخص کو ترتیل کے وجوب پر پوری طرح عمل پیرا نہیں گردانا جاسکتا، کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ترتیل کی تفسیر میں **تجويد الحروف** کے ساتھ ہی **معرفة الوقوف** بھی فرمایا ہے۔ فائدہ اس کا یہ ہے کہ محل وقوف کی رعایت اور تجوید کی روشنی میں قرآن پڑھنا تفہیم

معنی اور تحسین قراءت کا باعث ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں مجود قرآن امام اہلسنّت مولانا احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ القوی بڑی ایمان افروز بات بتا گئے ہیں :

> اس قدر تجوید جس کے باعث حرف کو حرف سے امتیاز اور تلبیس سے احتراز حاصل ہو' واجبات عینیہ واہم مہمات دینیہ سے ہے۔آدمی پر تصحیح مخارج میں سعی تام اور حرف میں اس کے مخرج سے ٹھیک ادا کرنے کا قصد واہتمام لازم کہ قرآن مطابق ما أنزل الله تعالیٰ پڑھے' نہ کہ معاذ اللہ مداہنت و بے پروائی سے۔ (فتاویٰ رضویہ)

حضرت امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ ترتیل کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قیام صلاۃ کے ساتھ ہی ترتیل قرآن کا حکم [1] اس لیے دیا تا کہ دیدہ ودل ان آیتوں کے اسرار وغوامض اور حقائق ودقائق میں فکر وتأمل کریں کیوں کہ غور وخوض کے نتیجے میں کاشانۂ دل معرفت الٰہی کے انوار سے جگمگا اٹھتا ہے جب کہ قراءت میں تعجیل ان مقاصد جلیلہ کے فقدان کا سبب بنتی ہے۔ایک چیز یہ بھی ہے کہ احکام الٰہیہ اور روحانی امور کے ذکر سے دل کو فرحت وبہجت حاصل ہوتی ہے اور جسے کسی شے سے مسرت حاصل ہوگی اس کا ذکر اس کے نزدیک بہت زیادہ محبوب ہوگا اور وہ نہیں چاہے گا کہ اتنی محبوب شے کا ذکر جلد ختم کردیا جائے۔تو معلوم ہوا کہ ترتیل کا مقصود ومنشا حضورِ قلب اور کمال معرفت ہے۔ (تفسیر کبیر: ج ۳۰ رص ۱۷۴)

اور ترتیل کی مقصدیت کے حوالے سے اسی سے کچھ ملتی جلتی بات امام خازن علیہ الرحمہ نے بھی کہی ہے، فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قیام لیل کے ساتھ ترتیل قرآن کا حکم اس لیے دیا تا کہ نمازی حضورِ قلب کے ساتھ آیتوں کے حقائق ومعانی میں غور وتدبر کرے کیوں کہ جب اللہ رب العزت کا ذکر آئے گا تو اس کا دل عظمت وجلالت الٰہی

سے معمور ہوئے بغیر اور وعدہ ووعید کے وقت خوف ورجا کی ایک خاص کیفیت محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے گا اور جہاں قصص ووقائع کا ذکر ہوگا وہاں اسے عبرت پذیری ہوگی اور دل نور معرفت سے منور ہوجائے گا۔ جب کہ اسراع فی القراءت یعنی قراءت میں تعجیل کی صورت میں یہ مقصد رفیع فوت ہوجاتا ہے۔ (تفسیر خازن: ج۴رص۳۲۱)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہوئے امام عسکری نے تخریج کی ہے کہ جب آیت "وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا" کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: " بینہ تبیینا " یعنی قرآن کریم کو خوب صاف صاف پڑھا کرو۔ (درمنثور: ج۶رص۴۴۲- دار الکتب العلمیہ، بیروت)

بلکہ صاحب تفسیر بیضاوی نے آیت مذکورہ کی تفسیر ہی جود القران تجویداً سے کی ہے، یعنی قرآن کریم کو قواعد تجوید کی رعایت کے ساتھ پڑھو۔

امام نسفی رحمہ اللہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

أی اقرأ علی تؤدة بتبيين الحروف وحفظ الوقوف و اشباع الحركات ترتيلا هو تاكيد في ايجاب الأمر به و أنه لا بد منه للقاري . (مدارك التنزيل : ٤/٣٠٣)

یعنی اطمینان کے ساتھ حروف جدا جدا، وقف کی حفاظت اور تمام حرکات کی ادائیگی کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ ترتیلا اس میں تاکید پیدا کررہا ہے کہ یہ بات تلاوت کرنے والے کے لیے نہایت ضروری ہے۔

امام دیلمی نے تخریج کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا :

اذا قرأت القران فرتله ترتيلا وبينه تبيينا . (درمنثور: ج۶رص۴۴۲)

---

(۱) يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا

یعنی جب تم قرآن پڑھو تو ترتیل کے ساتھ اور نہایت واضح انداز میں پڑھو۔

ابن ابی شیبہ، ابن نصر اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں ابراہیم سے روایت کیا فرماتے ہیں کہ علقمہ نے عبداللہ کے پاس قراءت کی تو فرمایا : رتلہ فانہ یزین القران . ترتیل کے ساتھ پڑھو کیوں کہ ترتیل، قرآن کے لیے سامانِ زینت ہے۔ (در منثور: ج ۶/ص ۴۴۲)

ابن ابی شیبہ نے ابن ابی ملیکہ سے روایت کیا کہ بعض امہات المومنین سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قراءت کی بابت استفسار ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مانند نہ پڑھ سکو گے۔ عرض کیا گیا بتائیں تو صحیح۔ تو انھوں نے نہایت خوش آوازی اور درستی سے آہستہ آہستہ پڑھا۔ الفاظِ حدیث یہ ہیں:

فقرأت قراءۃً ترسلت فیھا . (در منثور: ج ۶/ص ۴۴۲)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں " فسرہ تفسیرا " فرمایا ہے یعنی اسے خوب واضح کر کے پڑھو۔

عبد بن حمید اور ابن منذر نے مجاہد کے حوالے سے آیت مذکورہ کی تفسیر میں لکھا ہے: ترسل فیہ ترسلا. یعنی خوش آوازی اور درستی کے ساتھ آہستہ آہستہ پڑھو۔ (در منثور: ج ۶/ص ۴۴۲)

امام خازن نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھا ہے :

الترتیل ھو التوقف والترسل والتمھل والافھام وتبیین القراءۃ حرفا حرفا . (تفسیر خازن: ج ۴/ص ۳۲۱)

یعنی ترتیل، ٹھہر ٹھہر کے آہستہ آہستہ مہلت کے ساتھ سوچ سمجھ کر اور حرفوں کو باہم جدا جدا کر کے پڑھنے کا نام ہے۔

حضرت علقمہ نے ایک شخص کو بہترین انداز میں قرآن پڑھتے ہوئے سن کر فرمایا:

لقد ترتل القرآن فداه أبی و أمی . (تفسیر قرطبی: ج۱۹/ص۳۸)

یعنی اس نے کیا خوب قرآن پڑھا۔اس پر میرے ماں باپ قربان۔

علامہ قرطبی ترتیل کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

الترتیل : التنضید و التنسیق وحسن نظام ومنه ثَغرٌ رَتِلٌ اذا کان حسن التنضید .

یعنی ترتیل کا معنی ہے بڑی خوبصورتی سے منظم ومرتب ہونا۔وہ منھ جس کے دانت خوبصورت اور جڑے ہوئے ہوتے ہیں اسے ''ثغر رتل'' کہتے ہیں۔یعنی کوئی دانت اونچا نیچا نہیں ،کوئی جگہ خالی نہیں ،کوئی دانت ٹوٹا ہوا نہیں، اسی مناسبت سے ترتیل قرآن کا معنی ہوگا کہ اس کو آہستہ آہستہ سوچ سمجھ کے پڑھا جائے اور اس کی تلاوت میں تیزی نہ کی جائے۔

اس آیت کی جامع اور دل نشیں تفسیر حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ آپ سے اس آیت کا مفہوم پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا :

بینه تبیینا و لا تنثره نثر الدقل ولا تهزه هز الشعر قفوا عند عجائبه وحر کوا به القلوب ولا یکن هم احدکم آخر السورة .

یعنی اس آیت کا مفہوم ہمارے نبی نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ جس طرح تم جلدی جلدی ردی کھجوریں بکھیرتے اور بال کاٹتے چلے جاتے ہو ایسا نہ کرو۔جب کوئی نادر نکتہ آئے تو ٹھہر جاؤ اور اپنے دل کو اس کی اثر انگیزی سے متحرک کرو۔تمھیں اس سورہ کو جلدی جلدی ختم کرنے کا فکر نہ ہو۔ (ضیاء القرآن: ج۵/ص۴۰۲-در منثور: ۴۴۲/۶ مطبوعہ بیروت)

علامہ ابن کثیر آیت مذکورہ ''وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

ای اقرأه علی تمهل فانه یکون عونا علی فهم القرآن و

تدبره . (تفسیر ابن کثیر : ج ٤/ص ٤٣٤)

یعنی قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا قرآن سمجھنے اور غور و فکر کرنے میں معاون ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :

شر السیر الحقحقة و شر القراء ة الهذرمة .

یعنی سب سے بری سیر و سیاحت وہ ہے جو بے تحاشا اور اندادھند کی جائے اور ناپسندیدہ قراءت وہ ہے جو سرعت رفتار سے کی جائے۔ (روح البیان: ج۱۰/ص۲۰۵)

اس ضمن میں امام علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

ویجتنب هذرمة القراء ة . (در المختار: ۱/ ۹۹)

اور جلدی جلدی قراءت سے اجتناب چاہیے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مذکورہ بالا آیت کی تفسیر " بینه تبیینا" سے کی ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا ہے کہ قرآن تین تین، چار چار، پانچ پانچ آیتوں کے برابر ٹھہراؤ کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ (معالم التنزیل: ج۴/ص۴۰۷)

حضرت قتادہ و حسن و مجاہد رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ واضح صاف اور نہایت ٹھہراؤ کے ساتھ قرآن پڑھو۔ (معالم التنزیل: ج۴/ص۴۰۷)

حضرت زجاج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مسطورہ بالا آیت کے تحت رقم طراز ہیں :

بينه تبيينا والتبيين لا يتم بان يعجل في القرآن انما يتم بان تبين جميع الحروف و يوفي حقها من الاشباع .

یعنی قرآن کو نہایت واضح اور صاف انداز میں پڑھو اور عجلت سے پڑھنے میں تبیین تو حاصل نہ ہوگی کیوں کہ تبیین تو تمام حرفوں کو جداگانہ اور اشباع حرکت کے ساتھ ادا کرنے کا نام ہے۔ (التفسیر الکبیر: ج۳۰/ص۱۷۳)

تفسیر ابوالسعود میں بھی اسی سے ملتی جلتی کچھ باتیں ملتی ہیں کہ قرآن کو حرفوں کے باہمی امتیاز کے ساتھ اس طرح پڑھو کہ اگر سننے والا انھیں شمار کرنا چاہے تو بآسانی شمار کرلے۔ (تفسیر ابوالسعود: ج ۹ ص ۵۰)

قرآن کو عربی لب ولہجہ اور بقدر استطاعت تحسین صوت یعنی خوش آوازی سے پڑھنے کی ترغیب حدیث پاک میں کئی جگہ وارد ہوئی ہے، کیوں کہ لہجہ ولحن میں پڑھنے سے قرآن کریم کے حسن وتأثر میں اور بھی اضافہ ہوجاتا ہے، مگر ایسا نہ ہو کہ لہجہ کے لہراؤ اور اُتار چڑھاؤ میں قواعد تجوید کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے اور لحن عرب سے ہٹ کر نغمہ وموسیقیت کا روپ دھار لے کہ یہ قطعاً حرام وممنوع ہے۔ (تفسیر مظہری: ج ۱۰ ص ۱۰۵) لہٰذا قرآن مجید کو تصنع اور بناوٹ سے بچتے ہوئے تجوید کے موافق بلاکسی تکلف کے پڑھنا چاہیے۔

نغمہ ولہجہ میں فرق یہ ہے کہ نغمہ قواعد موسیقیہ کے تابع ہے اور لہجہ تجوید کے تابع ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ لہجہ طرز طبعی کے ساتھ پڑھنے کا نام ہے۔ اصطلاح قراء میں: تزیین الصوت بما یوافق بالتجوید کو لہجہ کہتے ہیں۔ واضح رہے کہ مختلف لہجوں سے پڑھنے کو قراءت سبعہ وعشرہ سے تعبیر کرنا درست نہیں کیوں کہ لہجہ کو اختلاف قراءت سے کوئی تعلق نہیں۔ لہجہ نہ تو خود مستقل قراءت ہے اور نہ کوئی لہجہ موقوف علی الروایت ہے۔

لہجہ کوئی ایسی ضروری چیز نہیں کہ اس پر صحت قرآن موقوف ہو۔ لہجہ کو تجوید وقراءت کی تعریف وموضوع سے دور کا بھی علاقہ نہیں، یہ ایک امر زائد ہے۔ لیکن چوں کہ محسنات قراءت سے ہے اس لیے ایسا بھی نہ چاہیے کہ لوگ اس کی طرف سے مکمل غفلت اور لاپرواہی برتیں۔ کئی ایک احادیث پاک میں قرآن مقدس کو تحسین صوت سے پڑھنے کی صراحت ملتی ہے ـــــ اپنے قارئین پر ہم یہ بھی واضح کردیں

کہ حدیث رسول میں جہاں حسن صوت کی ترغیب آئی ہے وہیں نغمہ وعشقیہ لحن کی ترہیب بھی وارد ہوئی ہے۔ دیکھئے حضرت ابوہریرہ سے مروی کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا :

لیس منا من لم یتغن بالقرآن . (بخاری ۱۱۲۳/۲ – سنن ابوداؤد : ۲۰۷/۱ – مشکوۃ : ۱۹۱– مسند احمد بن حنبل ۱۷۲/۱ – کنز العمال ۶۰۵/۱ – المستدرك للحاكم ۵۶۹/۱ بحوالۂ سابق . الترغیب والترهیب : ۳۲۳/۲ – التمهید: ۱۲۶/۹ – اتحاف السادة: ۴۹۶/۴ – مجمع الزوائد: ۱۷۱/۷ – شرح السنة: ۴۸۶/۴ – البداية والنهاية : ۱۰/ ۳۲۷بحواله جامع الاحاديث: ۴۳۱/۳)

بغیر خوش آوازی سے قرآن پڑھنے والا ہم میں سے نہیں۔

حضرت حذیفہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اقرؤا القرآن بلحون العرب واصواتها و ایاکم ولحون لحون اهل الکتابیین اهل الفسق فانه سیجئ بعدی قوم یرجّعون بالقرآن ترجیع الغناء والرهبانیة والنوح لا یجاوز حناجرهم‘مفتونة قلوبهم و قلوب من یعجبهم شانهم . (مشکوۃ : ۱۹۱– المعجم الاوسط : حدیث ۷۲۱۹ – شعب الایمان : حدیث۲۶۴۹ – الاتقان: ۱۰۶/۱)

یعنی قرآن‘ عربی لب ولہجہ میں پڑھو۔ اہل فسق اور یہود ونصاریٰ کے لہجوں سے احتراز کرو کہ میرے بعد کچھ لوگ آنے والے ہیں جو قرآن ’آآ‘ کر کے پڑھیں گے جیسے گانے کی تانیں اور راہبوں اور مرثیہ خوانوں کی اُتار چڑھاؤ۔ قرآن ان کے گلوں سے نیچے نہ اترے گا یعنی ان کے دلوں پر کچھ اثر نہ کرے گا، ان کے دل فتنے میں ہوں گے، اور ان کے دل بھی جنھیں ان کی یہ حرکت پسند آئے گی۔

چوں کہ کلام اللہ عربی زبان میں ہے اس لیے عربی لہجہ سے پڑھنا بہتر ہے اگر کسی سے عربی لہجہ کی نقل نہ ہو سکے تو اس کو چاہیے کہ دو باتوں کا ضرور خیال رکھے۔ ایک تو یہ کہ قرآن مجید کو قواعد تجوید کے موافق پڑھے، دوسرے یہ کہ غایت بے تکلفی کے ساتھ پڑھے۔ یوں بھی جو خالص العرب ہیں ان کے پڑھنے میں لحن کے ساتھ ساتھ طبعی طور پر تجوید ہی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ علامہ جزری کے اس قول "مرتلا مجودا بالعربی" میں اسی لحن کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔ گویا اس لحن کو تجوید سے خصوصی تعلق ہے۔ پس جو لحن بلا تجوید ہو وہ لحن ہی نہیں۔ مطلقاً خوش آوازی سے کلام اللہ پڑھنے کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مستقلاً ارشاد فرمایا ہے :

زینوا القران بأصواتکم .

قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو۔ (الاتقان: ج ۱/ص ۱۰۶)

کیوں کہ برعایت تجوید طبعی خوش آوازی سے کلام اللہ پڑھا جائے تو اس سے کلام اللہ کی زینت بڑھ جاتی ہے اور درحقیقت اسی طرزِ طبعی کو لہجہ کہتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا :

حسنوا القران بأصواتکم فان الصوت الحسن یزید القران حسنا

یعنی حسن صوت کے ساتھ قرآن پڑھو کیوں کہ خوش آوازی قرآن کے حسن کو دو آتشہ کر دیتی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح:۱۹۱-الاتقان: ج ۱/ص ۱۰۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :

ما اذن اللّٰہ لشیئ ما أذن النبی حسن الصوت یتغنی بالقران یجھر بہ . (بخاری ۲/۷۵۱ - مسلم ۱/۲۶۸ - سنن ابی داؤد : ۱/۲۰۷ بحوالہ : فتاویٰ رضویہ : ۲۳/۳۵۵)

یعنی اللہ تعالیٰ کسی چیز کو ایسی رضا و رغبت کے ساتھ نہیں سنتا جیسا کہ خوش آوازی اور بلند آواز سے تلاوت کرنے والے اس نبی کی قراءت کو سنتا ہے۔

حضرت فضالہ بن عبید سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لله أشد اَذنا الى الرجل أحسن الصوت بالقراٰن يجهر به من صاحب القينة الى قينة . (المستدرك للحاكم : ۱/ ۵۷۱ – سنن ابن ماجه: ۹٦ – السنن الكبریٰ للبيهقی : ۱۰/ ۲۳۰ بحوالۂ سابق)

یعنی جس شوق و رغبت سے گانے کا شوقین اپنی گائن کنیز کا گانا سنتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ پسند و رضا و اکرام کے ساتھ اپنے بندے کا قرآن سنتا ہے جو اسے خوش آوازی سے جہر کے ساتھ پڑھے۔

نیز حضرت براء بن عازب سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

زينوا القراٰن بأصواتكم فان الصوت الحسن يزيد القراٰن حسنا . (سنن دارمی: حديث ۳۵۰٤ – المستدرك للحاكم ، كتاب فضائل القراٰن. بحواله فتاویٰ رضويه: ۲۳/ ۳۵۷)

قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو کہ خوش آوازی قرآن کا حسن بڑھا دیتی ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر سے مروی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تعلموا كتاب اللّٰه و تعاهدوه و تغنوا به . (مسند امام احمد بن حنبل: ٤/ ١٤٦ بحوالۂ سابق)

قرآن مجید سیکھو، اس کی نگہ داشت رکھو، اور اسے اچھے لہجے پسندیدہ الحان سے پڑھو۔

حضرت سعد بن مالک سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا :

ان هذا القراٰن نزل بحزن و کآبة فاذا قرأتموه فابکوا فان لـم تبـکوا فتباکوا و تغنوا به فمن لم یتغن به فلیس منا . (سنن ابن ماجه : ۹٦ بحواله سابق)

بیشک یہ قرآن غم وحزن کے ساتھ اُترا تو جب اسے پڑھو، گریہ کرو اگر رونا نہ آئے بتکلف روؤ، اور قرآن کو خوش الحانی سے پڑھو جو اسے خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہمارے طریقے پر نہیں۔

نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حسن الصوت زینة القراٰن .

اچھی آواز روئے قرآن کے لیے غازۂ زینت ہے۔ (الاتقان: ج ا رص ۱۰٦)

مزید فرمایا :

لکل شیٔ حلیة وحلیة القراٰن حسن الصوت .

ہر چیز کا ایک زیور ہوتا ہے اور قرآن کا زیور خوش آوازی ہے۔

اور یہ بھی فرمایا :

نزل القراٰن بالتفخیم .

قرآن تفخیم کے ساتھ نازل ہوا۔ (الاتقان: ج ا رص ۱۰٦)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

جودوا القراٰن .

قرآن قواعد تجوید کی روشنی میں پڑھو۔

قرائے عظام فرماتے ہیں :

التجوید حلیة القراءة .

تجوید (یعنی حروف ومخارج کی درستگی کے ساتھ قرآن پڑھنا) قراءت کا زیور

ہے۔ (الاتقان: ج ۱ ص ۱۰۶)

اور ظاہر ہے کہ جو چیز جس چیز کے لیے سرمایۂ زینت اور باعث کشش ہو اگر اس سے وہ سلب کر لی جائے تو اس کی ساری خوب صورتی غارت ہو کر رہ جائے گی۔ بالکل ایسے ہی قرآن کو بغیر تجوید کے پڑھنا اس کی زینت وکشش کا جنازہ نکالنے کے مترادف ہے۔ اللہ ہمارے سینے تحصیل علم تجوید وترتیل کے لیے کھول دے اور اس کی عظمت واہمیت صحیح معنوں میں ہمارے دل ودماغ میں جاگزیں فرمادے۔

حضرت امام جزری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ’’مقدمۂ جزریہ‘‘ میں فرماتے ہیں :

و هو أيضا حلية التلاوة　　　　و زينة الأداء و القراءة

یعنی تجوید منجملہ اور خوبیوں کے تلاوت کا زیور اور تلفظ وقراءت کی زینت بھی ہے۔

یہ اور اس قسم کی کئی اور احادیث اور اقوال ایسے ملتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن پاک کو قواعد تجوید کی رعایت کر کے حسن صوت اور عربی لب ولہجہ میں پڑھنا عین سنت نبوی ہے، اور صحابۂ کرام کے طریقے کے عین مطابق بھی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں ترتیل کے ساتھ قرآن کریم پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اکرم الصلوٰۃ وافضل التسلیم.

محمد افروز قادری ثقافی فہمی چریاکوٹی

ڈائرکٹر: نعمانی اکیڈمی وتحفظ قراءت اکیڈمی

پچھم محلہ، چریاکوٹ-مئو 276129

کچھ ضروری اصطلاحیں

حرف : وہ آواز جو اپنی تمام کیفیات کے ساتھ کسی مخرج سے نکلے۔کل حروف انتیس ہیں۔ان کے مجموعہ کو'حروف تہجی' یا'حروف ہجائیہ' کہا جاتا ہے۔

حروف متشابہ : وہ حروف جن کی شکل ملتی جلتی ہو اور صرف نقطے کا فرق ہو جیسے ب، ت، ث وغیرہ

حروف غیر متشابہ : وہ حروف جن کی شکل ایک دوسرے سے الگ ہو جیسے ب، ج وغیرہ

حروف قریب الصّوت : وہ حروف جن کی آواز دوسرے حرف سے ملتی ہو جیسے ت، ط وغیرہ

حروف بعید الصوت : وہ حروف جن کی آواز دوسرے حرف سے نہ ملتی ہو جیسے ح، ج، د وغیرہ

حروف متّحد المخرج : وہ حروف جن کا مخرج ایک ہو جیسے ت، د، ط وغیرہ

حروف مختلف المخرج : وہ حروف جن کے مخارج الگ الگ ہوں مثلاً ب، ج وغیرہ

حروف متحد المخارج ومتحد الصفات : وہ حروف جن کے مخارج وصفات ایک ہوں مثلاً مدد میں دال وغیرہ۔

حروف مختلف المخارج ومختلف الصفات : وہ حروف جن کے مخارج بھی جدا ہوں اور صفتیں بھی جدا۔مثلاً ث، ط وغیرہ

حروف متحد المخارج ومختلف الصفات : وہ حروف جن کے مخارج تو ایک ہوں مگر صفتیں الگ الگ ہوں جیسے ث، ذ وغیرہ

حروف مُعجَمہ یا مَنقُوطَہ : نقطے والے حرفوں کو کہتے ہیں جیسے ب، ج وغیرہ

حروف مُہمَلَہ یا غیر منقوطہ : بغیر نقطے والے حرفوں کو کہتے ہیں جیسے ح، د، ر وغیرہ

حروف حَلقِیَہ : وہ حروف جو حلق سے نکلتے ہیں۔یہ صرف چھ ہیں۔ء، ہ، ع، ح، غ، خ۔

حروف مدّہ، ہَوائِیَہ یا جَوفِیَہ : وہ حروف جو ہوا پر ختم ہوں۔یہ تین ہیں: واؤ ساکن ماقبل مضموم، الف ساکن ماقبل مفتوح، یا ساکن ماقبل مکسور۔لفظ نُوحِیۡھَا میں یہ تینوں جمع ہیں۔

حروف لِین: وہ حروف جو نرمی سے ادا ہوں۔یہ صرف دو ہیں۔واؤ ساکن ماقبل مفتوح، یا ساکن ماقبل مفتوح جیسے خَوف، عَین وغیرہ

حروف لَہَاتِیَہْ : وہ حروف جو کوے کے متصل زبان کی جڑ اور تالو سے ادا ہوں جیسے ق، ک

حروف شَجْرِیَہْ : وہ حروف جو وسط زبان اور مقابل کے تالو سے ادا ہوتے ہیں جیسے ج، ش، ی

حروف طَرَفِیَہْ یا ذَلْقِیَہْ : وہ حروف جو زبان کے کنارے سے نکلتے ہیں جیسے ل، ن، ر ۔

حروف نَطْعِیَہْ : وہ حروف جو تالو کے اگلے حصے سے نکلتے ہیں جیسے ت، د، ط

حروف لِثَوِیَہْ : وہ حروف جو دانتوں کے سروں سے ادا ہوتے ہیں جو مسوڑے سے لگے ہوتے ہیں جیسے ث، ذ، ظ

حروف اَسَلِیَہْ یا صَفِیْرِیَہْ : وہ حروف جو زبان کی نوک سے ادا ہوتے ہیں جیسے ز، س، ص

حروف حَافِیَہْ : وہ حروف جو زبان کے بغلی کنارے سے نکلتے ہیں جیسے ض

حروف شَفَوِیَہْ : وہ حروف جو ہونٹوں سے ادا ہوں جیسے م، و، ف، ب

حرف بَرِّیْ : وہ حرف جو ہونٹوں کی خشکی سے نکلے ۔ جیسے م

حرف بَحْرِیْ : وہ حرف جو ہونٹوں کی تری سے نکلے جیسے ب

حروف فَوقَانی : وہ حروف جن کے اوپر نقطہ ہو جیسے ت، خ وغیرہ

حروف تَحْتَانی : وہ حروف جن کے نیچے نقطہ ہو جیسے ب، ي وغیرہ

حروف مُتَوَسِّطَہْ : وہ حروف جن کے درمیان میں نقطہ ہو جیسے ج وغیرہ

حروف مَمْدُوْدَہْ : وہ حروف جن پر مد ہو، جیسے جآء وغیرہ

فتحۂ اِشْبَاعی : کھڑے زبر کو کہتے ہیں، جیسے ابرٰھم

کسرۂ اشباعی : کھڑے زیر کو کہتے ہیں، جیسے بہٖ

ضمۂ اشباعی : اُلٹے پیش کو کہتے ہیں، جیسے لہٗ

اِمَالَہْ : الف کو یا اور زبر کو زیر کی طرف مائل کر کے پڑھنے کو کہتے ہیں، جیسے مَجْرٖىٰ سے مَجْرِے

تَسْہِیل : ہمزہ کو خفیف اور نرم ادا کرنا یعنی کچھ ہمزہ اور کچھ حرف مدہ کے مخرج سے ادا کر کے پڑھنے کو کہتے ہیں۔

تَحْقِیق : ہمزہ کو پوری قوت وسختی سے بغیر کسی تغیر کے ادا کرنا۔

اِبْتِدَاء : جس کلمہ پر وقف کیا جائے، پھر اس سے آگے سے پڑھنا۔

اِعَادَہْ : جس کلمہ پر وقف کیا، پھر اسی سے یا دو ایک کلمے پیچھے سے پڑھنا۔

تَفۡخِیم : حرف کو پُر پڑھنا۔

تَرۡقِیق : حرف کو باریک پڑھنا۔

مُدۡغَمۡ : جس حرف کا ادغام کیا جائے اس کو مدغم کہتے ہیں۔

مُدۡغَمۡ فیہ: جس حرف میں ادغام ہوا سے مدغم فیہ کہتے ہیں۔ جیسے من یقول میں ن مدغم اوری مدغم فیہ ہے

ادغامِ صَغِیر : مدغم ساکن اور مدغم فیہ متحرک ہو، جیسے قُلْ لَّکُمْ

ادغامِ کَبِیۡر : مدغم اور مدغم فیہ دونوں متحرک ہوں، جیسے جَعَلَ لَکُمْ

مَدۡ : حرف کو حسب روایت اس کی مقدار اصلی سے زیادہ دراز کر کے پڑھنا۔

قَصۡر : حرف کو بغیر مد کے اس کی اصلی مقدار کے برابر پڑھنا۔

تَرۡتِیل : بہت ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا۔

حَدۡر : جلدی جلدی پڑھنا، مگر حروف نہ کٹنے پائیں۔

تَدۡوِیۡر : ترتیل وحدر کی درمیانی رفتار سے پڑھنا۔

تَحۡقِیۡق : ترتیل سے بھی زیادہ اطمینان سے پڑھنا

هَذۡرَمَهۡ : حدر سے بھی تیز پڑھنا۔

حرکت : زبر، زیر، پیش کو کہتے ہیں

مُتَحرِّک : جس حرف پر حرکت ہو۔

فَتحه، نَصَب : زبر کو کہتے ہیں۔ جس حرف پر زبر ہو اسے مفتوح یا منصوب کہتے ہیں[1]۔

ضَمَّه ، رَفَع : پیش کو کہتے ہیں۔ جس حرف پر پیش ہو اس کو مضموم یا مرفوع کہتے ہیں۔

کَسۡره ، جَرۡ : زیر کو کہتے ہیں، جس حرف پر زیر ہو اس کو مکسور یا مجرور کہا جاتا ہے۔

غُنَّه : ناک میں آواز لے جا کر پڑھنے کو غنہ کہتے ہیں۔

سُکُون : جزم کو کہتے ہیں۔ جس حرف پر جزم ہو اس کو ساکن یا مجزوم کہتے ہیں۔

تَنۡوِین : دوزبر، دوزیر، دوپیش کو کہتے ہیں اور جس حرف پر تنوین ہو اسے منوّن کہتے ہیں۔

تَشۡدِیۡد : حرف کو ساکن پڑھ کر اس کو متحرک کرنے کو کہتے ہیں۔ جس حرف پر تشدید ہو اسے مشدّد کہتے ہیں

---

(۱) نحوی اصطلاح میں فتحہ اور نصب، ضمہ اور رفع، کسرہ اور جر میں کچھ فرق ہے، فن تجوید میں اس کی تفصیل کا موقع نہیں۔ ۱۲ نعمانی قادری عفی عنہ

صلہ : کسرہ پر یا مدہ اور ضمہ پر واؤ مدہ زیادہ کر کے پڑھنا۔ جیسے بِہٖ ، لَہٗ وغیرہ

حالَین : وقفاً وصلاً پڑھنا۔

اِختلاس : ضمہ، کسرہ اور فتحہ کے تین حصے میں سے دو حصہ کی ادائیگی ۔ یہ اگر صلہ کے مقابلے میں بولا جائے تو اس سے اکمالِ حرکت (یعنی پوری حرکت کی ادائیگی) مراد ہوتی ہے۔

مَدّ بَدَل یا تثلیث : حرف مد سے پہلے ہمزہ ہو جیسے آمنوا وغیرہ تو ورش کے لیے قصر و توسط وطول ہوتا ہے۔

نَقل : ہمزہ قطعی کی حرکت نقل کر کے ماقبل کے حرف صحیح ساکن کو دے کر ہمزہ کو تلفظ میں حذف کرنا جب کہ دو کلمہ میں ہو (حرف صحیح ساکن مدہ اور میم جمع نہ ہو) یہ اصولاً ورش کے لیے ہوتا ہے، جیسے قَدْ اَفْلَحَ سے قَدَ فْلَحَ .

صُورتِ نَقل : ہمزۂ وصلی کی حرکت کو نقل کر کے ماقبل کے حرف کو دے دینا جیسے مِنْ اَللّٰہِ سے مِنَ اللّٰہِ .

سکتہ : بغیر سانس لیے آواز کو قلیل لمحہ کے لیے بند کر دینا۔

سَکتۂ لَفظی : جو تلفظ کی سہولت کی خاطر کیا جائے۔ یعنی حرف صحیح ساکن کے بعد ہمزۂ قطعی واقع ہو۔ جیسے قَدْ اَفْلَحَ .

سَکتۂ مَعنوی : جو معنوی رعایت کے تحت یعنی معنوی دشواری کو دور کرنے کے لیے کیا جائے۔ جیسے مَنْ رَاق کے مَنْ پر۔

تَکبیر : یعنی اللہ اکبر کہنا۔ یہ تمام قراء کے لیے مستحب اور مسنون ہے مگر امام ابن کثیر مکی کو (بروایت بزی) ان کے شیوخ سے مسلسل پہنچی ہے اس لیے ان سے واجب بھی مروی ہے۔ یہ سورۂ والضحیٰ کے آخر سے سورۂ والناس تک ہر سورہ کے آخیر میں پڑھی جاتی ہے۔

اَلحَالُ المُرتَحِل : یعنی منزل پر پہنچ کر پھر کوچ کر جانے والا۔ مراد یہ ہے کہ قرآن پاک ختم کر کے پھر فوراً دوسرا قرآن شروع کر دینا۔ سورۂ فاتحہ پڑھ کر بقرہ کی پانچ آیات (حسب شمار کوفی) ھم المفلحون تک پڑھنا۔

قِراءَت : جس اختلاف کی نسبت کسی امام کی طرف ہو اسے قراءت کہتے ہیں۔

رِوَایَت : جس اختلاف کی نسبت راوی کی طرف ہو' روایت کہلاتا ہے۔

طَرِیق : جو اختلاف راوی کے اس شاگرد کی طرف منسوب ہو جس کے ذریعہ روایت کی اشاعت ہوئی' اسے طریق کہا جاتا ہے۔

تَجوِیدُ الحُرُوفْ

پہلا باب ...... فصل اول

ترتیل و قراء ت وغیرہ کے بیان میں

فن تجوید یا کسی بھی علم کو شروع کرنے سے پہلے چار چیزوں کا جاننا از بس ضروری ہوتا ہے۔اس کی تعریف- اس کا موضوع- اس کی غرض وغایت- اوراس کا حکم شرعی۔نیز اس کا فائدہ۔

تجوید کی لغوی تعریف : تجوید کے لغوی معنی ہیں تحسین یعنی خوب صورتی پیدا کرنا۔یا **الاتیان بالجید** یعنی کسی بھی کام کو عمدگی کے ساتھ کرنے اور سنوارنے کو تجوید کہتے ہیں۔

تجوید کی اصطلاحی تعریف : هو أداء الحروف من مخارجها الخاصة لها من جميع صفاتها اللازمة والعارضة بسهولة وبغير كلفة .

یعنی کسی تکلیف کے بغیر' آسانی کے ساتھ حرفوں کو ان کے مخارج خاصہ اور جملہ صفات لازمہ وعارضہ سے ادا کرنا تاکہ کلام اللہ کی ادا نزول کے موافق ہو جائے۔

کیوں کہ صاحب خلاصۃ البیان نے اس کی تعریف یوں کی ہے :

التجوید اداءٌ کاداء الرسول و وجوہ الاداء عنہ الینا منقول ولا دخل للرائ فیہ .

یعنی تجوید ایسی ادا کو کہتے ہیں جس طرح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، کلام اللہ کو ادا فرماتے تھے اور اَدا کے تمام طریقے حضور ہی سے منقول ہوتے ہوئے ہم تک چلے آرہے ہیں اور اس میں کسی کی عقل اور رائے کو ذرہ برابر دخل نہیں ہے۔

موضوع : حروف تہجی۔ یعنی الف سے یا تک کے حروفِ عربیہ۔

غرض وغایت : تصحیح حروف القراٰن من حیث الاداء . یعنی ادا کے لحاظ سے حروف قرآنی کی تصحیح، تاکہ غلطیوں سے بچا جاسکے۔

حکم شرعی : العلم بہ فرض کفایۃ والعمل بہ فرض عین بقدر ما تجوز بہ الصلوٰۃ علیٰ کل مسلم و مسلمۃ .

یعنی علم تجوید کا سیکھنا فرض کفایہ ہے۔اور تجوید پر اس قدر عمل کہ جس سے نماز درست ہوسکے ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض عین ہے۔

فائدہ : دین ودنیا کی سرفرازی، اور خداوند قدوس کی خوشنودی کا حصول۔

ارکان تجوید چار ہیں : (۱) حروف کے مخارج کو پہچاننا۔ (۲) حروف کی صفتوں کو پہچاننا۔ (۳) حروف کے احکام کو پہچاننا۔ (۴) زبان کو صحیح حرف ادا کرنے کا عادی بنانا، اور یہ چیز بغیر کثرتِ مشق اور بلا استاذ کامل کے حاصل نہیں ہوسکتی۔

چوں کہ تجوید کا موضوع حروف قرآنیہ ہیں اس لیے مبتدی طلبہ کو چند باتوں کا جاننا بہت ضروری ہے۔اول، حرف۔ حرف کے لغوی معنی طرف اور کنارہ کے ہیں اور اصطلاح میں حرف کی تعریف یہ ہے: **ھو صوت یعتمد علیٰ مقطع**

محقق أو مقدر یعنی وہ آواز جو جزو معین یا غیر معین پر اعتماد پذیر ہوتی ہے۔

حرف کی دو قسمیں ہیں : اصلی - فرعی۔

حرف اصلی : جس کا مخرج معین و مستقل ہو۔ یہ انتیس حروف ہیں الف سے یا تک

حرف فرعی: جس کا مخرج معین و مستقل نہ ہو بلکہ دو مخارج کے درمیان سے نکلے یا صفت اصلی سے نکل گیا ہو۔ بروایت حفص یہ کل پانچ حروف ہیں:

الف ممالہ، الف مفخمہ، لام مفخمہ، ہمزہ مسہّلہ، حرف غنہ۔

ان پانچ حروفِ فرعیہ کے علاوہ بعض حضرات نے لام مفخمہ پر قیاس کرتے ہوئے را مفخمہ، اور الف مفخمہ پر قیاس کرتے ہوئے واؤ مفخمہ کو بھی حروف فرعیہ میں شمار کیا ہے جو کسی حد تک درست ہے۔

حرف کی بلحاظ ادا چار قسمیں ہیں

حرف آنی - حرف زمانی - حرف قریب زمانی - حرف قریب آنی

(۱) حروف شدیدہ' آنی ہیں۔ (۲) حروف مدہ' زمانی ہیں۔ (۳) حرف ضادٗ قریب زمانی ہے۔ (۴) مذکورہ تینوں کے علاوہ بقیہ حروف قریب آنی ہیں۔ اسی وجہ سے بہ مقابلہ حروف مدہ کے حرف لین کا قصر کم ہوتا ہے۔ کیوں کہ حروف مدہ زمانی اور حروف لین قریب آنی ہیں۔

حرف کی باعتبار قوت وضعف پانچ قسمیں ہیں

(۱)- اقویٰ- (۲)- قوی-(۳)- متوسط-(۴)- ضعیف-(۵)- اضعف

اقویٰ: اسے کہتے ہیں جس میں ایک ضعیف صفت کے سوا باقی سب صفات قوی ہوں۔

قوی : اسے کہتے ہیں جس میں دو ضعیف صفات کے سوا سب صفات قویہ ہوں۔

متوسط : اسے کہتے ہیں جس میں دونوں قسم کی صفات برابر ہوں۔
ضعیف : اسے کہتے ہیں جس میں دوقوی صفت کے علاوہ باقی سب صفات ضعیف ہوں
اضعف : اسے کہتے ہیں جس میں ایک قوی صفت کے علاوہ باقی سب صفات ضعیف ہوں

لہٰذا باعتبارِ قوت وضعف اب حروف کی تقسیم یوں ہوگی :

اقویٰ حروف: چار ہیں: ط ، ظ ، ض ، ق جن کا مجموعہ طض ظق ہے.
قوی حروف: چھ ہیں ،ج ،د ،ر ،ز،ص ،غ جن کا مجموعہ جد صغرز ہے۔
متوسط حروف: آٹھ ہیں: ء ، الف ، ب ، ت ، خ ، ذ ، ع ، ک جن کا مجموعہ ااب تخذعک ہے۔
ضعیف حروف: پانچ ہیں : س ، ش ، ل ، و ، ی جن کا مجموعہ سش لُوی ہے۔
اضعف حروف: چھ ہیں : ث ، ح ، ن ، م ، ف ، ھ جن کا مجموعہ ثح نم فہ ہے۔

الف اور ہمزہ میں فرق : جس الف پر نہ حرکت ہو، نہ ہی جزم تو وہ ہمیشہ الف مدہ ہوگا۔یعنی اسے کھینچ کر پڑھا جائے گا۔جیسے **ما**، **ذا** وغیرہ۔اوراگر الف پر زبر، زیر، پیش کی حرکت ہو یا علامت جزم ہی مرسوم ہوُا سے ہمزہ کہیں گے یعنی اسے جھٹکا کے ساتھ پڑھیں گے۔جیسے **مَـاْكول**، **ءَ اِذَا** وغیرہ۔اسی طرح جس واوٗ اور یا مدہ پر علامت ہمزہ ہو تو ہمزہ کی تحقیق ہوگی یعنی اسے ضغطہ کے ساتھ پڑھا جائے گا جیسے **قُرِئَ** ، **يُبْدِئُ** ، **مُسْتَهْزِؤُنَ** ، **يُؤْمِنُوْنَ** وغیرہ۔

فائدہ: حروف مدہ تین ہیں: الف ساکن ماقبل مفتوح - واوٗ ساکن ماقبل مضموم - یا ساکن ماقبل مکسور۔یہ تینوں حروف لفظ نُوْحِيْهَا میں مرکب ہیں۔ اور واوٗ ساکن یا یا ساکن ماقبل مفتوح ہو تو انھیں حروف لین کہا جاتا ہے۔ان دونوں کی مثال اَوْحَيْنا ہے۔

علم قراءت

قراءت کے لغوی معنی مطلقاً پڑھنے کے ہیں اور اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ کلام اللہ کو کسی روایت کے مطابق قواعد ترتیل سے پڑھنا۔ یعنی قراءِ سبعہ میں سے کسی ایک کی طرف منسوب ہو تو اسے قراءت کہتے ہیں۔ عرف خاص میں قراءت مستقلاً ایک علم ہے جس سے کلام اللہ کے الفاظ کا اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ مختلف لغات میں' مختلف طریق میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جو اختلافات ثابت ہیں وہ اسی علم سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس کی دو حیثیتیں ہیں: ایک قراءتِ سبعہ، دوسرے قراءتِ عشرہ۔ لیکن چوں کہ کبھی روایت پر بھی قراءت کا اطلاق ہو جایا کرتا ہے، اسی وجہ سے روایت حفص رحمۃ اللہ علیہ کو ''قراءتِ حفص'' بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ قراءتِ حفص کی بھی تکمیل ہوتی ہے جس طرح سبعہ وعشرہ کی تکمیل ہوتی ہے، اور سند وغیرہ دی جاتی ہے۔ اس لیے کتب قراءت میں اس چیز کی بڑی اہمیت ہے کہ تکمیل قراءت کے بعد اپنے شیخ سے سندِ مسلسل حاصل کر لے تاکہ شیخ سے حاصل شدہ سند کے ذریعہ اس کا سلسلہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک جڑ جائے۔ چنانچہ اہل طریقت اپنی سند اور شجرے کی بڑی قدر کیا کرتے ہیں۔ مگر صد افسوس! اس زمانہ میں اکثر فارغین قراء کو ذرہ برابر احساس نہیں ہوتا۔ وہ صرف اداروں کی سند ہی کو کافی سمجھتے ہیں، حالاں کہ یہ ان کے لیے کافی نہیں۔ (ہاں! یہ اور بات ہے کہ جس ادارہ سے انھوں نے تعلیمی فراغت حاصل کیا ہے' اس ادارے کی بھی سند ہونی چاہیے۔) ورنہ یہ ممکن ہے کہ جس قاری سے پڑھا ہے اس کے پاس سند ہی نہ ہو یا ہو تو سند منقطع ہو۔ ایسا قاری عند القراء لائق اعتبار اور قابل اعتنا نہیں۔ کیوں کہ دراصل سند مسلسل ہی کو قراء سند کہتے ہیں۔ خلاصہ میں ہے :

وجب علینا الاسناد فی القرآن فالاسناد من الدین و لو لا الاسناد لقال من شاء ما شاء .

یعنی ہمیں تحصیل علم قرآن کے بعد سند بھی لے لینا چاہیے کیوں کہ سند عند الدین بہت اہمیت کی حامل ہے۔ ورنہ سند نہ ہونے کی صورت میں ہر شخص جو چاہے کہہ دے۔

علم قراءت کا موضوع : کلمات قرآنیہ ہیں۔

غرض وغایت : کلمات قرآنیہ کی صحت ہے۔

نـــوٹ : جس اختلاف کی نسبت امام یا قاری کی طرف ہو اسے قراءت کہا جاتا ہے۔ اور جس اختلاف کی نسبت راوی کی طرف ہو اسے روایت کہتے ہیں۔ اور جو اختلاف راوی کے کسی شاگرد کی طرف منسوب ہو جس کے ذریعے روایت کی اشاعت ہوتی ہو اسے طریق کہا جاتا ہے۔ (مطلقاً ہر شاگرد کو طریق نہیں کہا جاتا) مثلاً ہم کہیں کہ ہم جو قرآن مجید پڑھتے ہیں وہ قراءت امام عاصم، بروایت حفص بطریق شاطبی ہے۔ (ان تینوں بزرگوں کے کوائف واحوال بطورِ ضمیمہ اخیر کتاب میں تفصیل سے مذکور ہیں)

فـــائـدہ : قراءت سبعہ متواترہ کے سات اماموں میں سے ہر ایک امام کو 'قاری'، اور ان کے مشہور ومخصوص شاگردوں کو' راوی'، اور ان کے نیچے طبقہ کو 'طریق' کہتے ہیں۔

فـــائـدہ : جب یہ بات معلوم ہو چکی کہ قراءت علوم نقلیہ میں سے ہے تو اگر کسی روایت کی پابندی نہ کی گئی اور ترتیل کے خلاف پڑھا گیا، تو ایسا پڑھنا جائز نہیں۔ لہٰذا جس طرح بلا ترتیل وتجوید کوئی قراءت معتبر نہیں اسی طرح بلا کسی روایت کے کلام اللہ پڑھنا بھی معتبر نہیں۔ چنانچہ اس کتاب میں ترتیل وتجوید کے قواعد ومسائل امام حفص کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت کے مطابق بیان کیے جائیں گے۔

فائدہ : عرف خاص میں قراءت مستقل ایک فن اور مکمل ایک علم ہے جس کو قراءت سبعہ وعشرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ روایت حفص اسی کا ایک جزو ہے۔ ذیل میں قرائے سبعہ وعشرہ کے نام مع رُواۃ درج کیے جا رہے ہیں تا کہ طلبہ اسے خوب ذہن نشیں کر لیں۔

اَئمہ قرآتِ عشرہ متواترہ اور ان کے رُواۃ

شمار	ائمۂ کرام	راوی اول	راوی دوم
۱	امام نافع مدنی	قالون	ورش
۲	امام ابن کثیر مکی	بزی	قنبل
۳	امام ابوعمرو بصری	دُوری[(۱)]	سوسی
۴	امام ابن عامر شامی	ہشام	ابن ذکوان
۵	امام عاصم کوفی	شعبہ	حفص
۶	امام حمزہ کوفی	خلف	خلاد
۷	امام ابوالحسن کسائی کوفی	ابوالحارث	دُوری
۸	امام ابوجعفر مدنی	ابن وردان	ابن جماز
۹	امام ابویعقوب حضرمی	رُوَیس	رُوح
۱۰	امام خلف بزار کوفی	اسحٰق ورّاق	ادریس بن عبدالکریم

(۱) نوٹ : ''دوری'' ابوعمرو بصری اور ابوالحسن کسائی دونوں کے راوی ہیں۔ اس لیے امتیاز کے لیے ''دوری بصری'' یا ''دوری کسائی'' لکھ دیا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

اَئمۂ قراآتِ شاذہ (اربع عشر) اور ان کے رُواۃ

شمار	ائمۂ کرام	راوی اول	راوی دوم
۱۱	امام عبدالرحمٰن بن محیصن السہمی	ابن شنبوذ	شبل بن عباد
۱۲	امام یحییٰ الیزیدی بصری	سلیمان ابن الحکم	احمد بن فرح
۱۳	امام الحسن بصری	ابونعیم شجاع	ابوعمرو عیسیٰ ثقفی
۱۴	امام سلیمان الاعمش کوفی	محمد بن احمد الشنبوذی	حسن بن سعید مطوعی

کیفیت قراءت کی بلحاظ تاجیل و تعجیل تین حالتیں ہیں یعنی قراءت کے تین مراتب ہیں : (۱) ترتیل و تحقیق (۲) تدویر (۳) حدر و ھذرمہ

قراءت ترتیل و تحقیق : یعنی اصول تجوید کی مکمل رعایت سے قرآن پاک نہایت اطمینان و وقار کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا کہ پڑھنے میں کسی قسم کا تصنع یا تکلف نہ ہو، یا پڑھنے میں مد اور غنہ میں خلاف روایت کسی قسم کی زیادتی نہ لازم آئے۔ اس کو تحقیق بھی کہتے ہیں۔ قراءت ترتیل و تحقیق کا کوئی خاص لہجہ نہیں جس طرز میں چاہے بلا تکلف پڑھے مگر بہتر یہ ہے کہ اپنے استاذ سے جس لہجہ میں مشق کیا ہو اسی میں پڑھے تاکہ احتمال خطا باقی نہ رہے۔ قراءت ترتیل و تحقیق کا بلحاظِ وقف، حکم یہ ہے کہ قاری ہر محل وقف پر وقف کرتا ہوا پڑھے، لیکن اگر بالکل قریب قریب کئی علامات وقف ہوں تو ان کا وصل بھی جائز ہے۔ جتنا سانس ہو اتنا ہی پڑھنے کی کوشش کرے، ورنہ ایسی صورت میں مشاہدہ یہ ہے کہ درمیان ہی میں سانس جواب دے جاتی ہے، اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کبھی معنیٰ وغیرہ میں خرابی لازم آتی ہے تو کبھی وقف خلاف قاعدہ اور غیر محل میں واقع ہو جاتا ہے جسے سن کر اِک کوفت

سی ہوتی ہے۔قراءت ترتیل وتحقیق کا بلحاظِ مدٗ حکم یہ ہے کہ مختلف مقادیر مد کی صورت میں مقدار اعلیٰ اختیار کرنا بہتر ہے۔جیسے مد وقفی میں تینوں وجوہ (طول، توسط، قصر) جائز ہیں مگر طول اولیٰ ہے۔اسی لیے اسی کو اختیار کرنا چاہیے۔یہ طریقہ سیدنا امام عاصم تابعی کوفی، امام حمزہ کوفی اور ورش-رحمہم اللہ تعالیٰ-کا ہے۔

قراءت تدویر : یعنی ترتیل وحدر کی درمیانی رفتار سے پڑھنا کہ قدرے تیزی اور روانی ہو کہ اگر سامع تدویر والی آیتوں کا ترجمہ سمجھنا چاہے تو سمجھ لے۔حقیقتاً 'بین التأجیل والتعجیل' پڑھنے کو قراءت تدویر کہتے ہیں۔عموماً ائمہ مساجد جہری نمازوں میں کلام اللہ تدویر کے ساتھ ہی پڑھتے ہیں۔قراءت تدویر کا بلحاظِ وقف' حکم یہ ہے کہ محل وقف جو قوی ہو اسی پر وقف کرے اور جو محل وقف ضعیف ہو اس کا وصل کرے۔اسی طرح مدوں کی مقدار میں میانہ روی اختیار کرے مثلاً کسی مد میں توسط ہے تو توسط ہی اختیار کرے اور اگر توسط کی مقدار دو، ڈھائی، چار الف ہے تو ڈھائی الف مد کرے۔اور اگر کسی مد میں توسط کی مقدار دو الف، اور تین الف ہے تو دو ہی الف کی مقدار مد ادا کرے۔بہر حال مراتب کا خیال رکھے یہ طریقہ امام ابن کثیر شامی اور امام کسائی رحمہما اللہ کا ہے۔

قراءت حدر و ھَذْرمه : یعنی کلام اللہ کو تجوید کی مکمل رعایت سے طبعی سرعت وتیزی کے ساتھ پڑھنا کہ حروف وحرکات خوب صاف صاف ادا ہوں۔حدر میں بھی یہ قاعدہ ملحوظ نظر رکھے کہ تجوید اور اوقاف کے تمام حقوق باحسن وجوہ ادا ہوں ورنہ قراءتِ حدر صحیح نہ ہوگی۔ناواقفی یا عاقبت ناشناسی سے بعض حضرات کلام اللہ اتنی عجلت وسرعت سے پڑھتے ہیں کہ لحن جلی تک کا خیال نہیں رہتا۔عیاذاً باللہ۔اسی کو اصطلاح میں 'ہذرمہ' کہتے ہیں۔حدر یہ سیدنا امام ابن کثیر مکی، ابو عمرو بصری اور قالون رحمہم اللہ کا طریقہ ہے۔

نوٹ : بہر حال روایت اور ترتیل کی رعایت ہر سہ قراءت میں اولین شرط ہے خواہ قراءت بالجہر ہو یا بالسر ہو، اگر ناظرہ خواں سرعت اور تیزی کے ساتھ نہیں پڑھ سکتے تو وہ تدویر میں کلام اللہ پڑھیں۔ حدر کے ساتھ پڑھنے کی انھیں اجازت نہیں کیوں کہ تیز پڑھنا مشق وتمرین پر موقوف ہے۔

ادا : أَخْذٌ عَنِ الْمَشَائِخُ کو ادا کہتے ہیں۔ اس کے دو طریقے ہیں: (۱) طریقۂ متقدمین (۲) طریقۂ متاخرین۔

طریقۂ متقدمین یہ ہے کہ استاذ پڑھے، شاگرد بغور سنے۔

طریقۂ متاخرین یہ ہے کہ شاگرد پڑھے اور استاذ سنے۔

ان دونوں طریقوں کو جمع کرنا بہتر ہے۔ کیوں کہ یہ طریقہ ہمارے مشائخ کا ہے اور جیسا کہ امام فن علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ جب مصر کے شہر قاہرہ گئے تو وہاں ایک ایک آیت تلاوت فرماتے تھے اور شاگرد بھی اسی طرح سنا کر پڑھتے ہیں۔

لہجہ : طرز طبعی کو لہجہ کہتے ہیں۔ لہجوں کی قسموں کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ ہر شخص کا اپنا طبعی لہجہ ہوتا ہے مگر جو لہجے مشائخ سے سنے گئے ہیں اور مشہور ومعروف ہیں وہ یہ ہیں :

(۱) مدنی (۲) عراقی (۳) عشاقی (۴) حسنی (۵) حسینی (۶) محلّی

(۷) مایہ (۸) حجازی (۹) مصری (۱۰) بڑی مصری (۱۱) رکبی

یہ لہجے تھوڑے بہت فرق سے پڑھے جاتے ہیں۔ مذکورہ لہجوں میں جو لہجہ اہل عرب کے مطابق ہوگا وہ عربی لہجہ ہے، جس لہجہ میں جاذبیت، عربیت اور غایت درجہ کی بے تکلفی ہو وہ لہجہ پسندیدہ اور مستحسن سمجھا گیا ہے اور جس میں تصنع یا تکلف یا ترنم وغنا وغیرہ ہو وہ لہجہ غیر مستحسن اور غیر محمود ہے۔

نغمہ ولہجہ میں فرق : نغمہ ولہجہ میں فرق یہ ہے کہ نغمہ قواعد موسیقیہ کے تابع ہوتا ہے، اور لہجہ قواعد تجوید کے تابع ۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ لہجہ طرزِ طبعی کے ساتھ پڑھنے کا نام ہے۔ واضح رہے کہ مختلف لہجوں سے پڑھنے کو قراءت سبعہ وعشرہ سے تعبیر کرنا درست نہیں کیوں کہ لہجہ کو اختلاف قراءت سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ لہجہ نہ تو خود مستقل قراءت ہے، نہ کوئی لہجہ موقوف علی الروایت ہے۔

مشق : صحت تجوید کی پختگی کے لیے جو محنت ومشقت اور کاوش کی جاتی ہے اس کو مشق کہتے ہیں، صحت مشق کے پختہ ہونے کا معیار یہ ہے کہ قرآن کریم کی قواعد ترتیل کے ساتھ اتنی مشق کی جائے کہ بلا ارادہ صحیح پڑھا جاسکے تاکہ پھر کبھی غلطی کا احتمال نہ رہے، اس کو مشق پختہ کہتے ہیں۔

الحان: یعنی کلام اللہ کو خوش آوازی اور عربی لب ولہجہ میں پڑھنا مسنون ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے :

اقرؤا القران بلحون العرب وأصواتها . (الاتقان: ج۱،ص۱۰۶)

یعنی قرآن کو عربی لب ولہجہ میں پڑھو۔

چونکہ خالص العرب حضرات کے پڑھنے میں لحن کے ساتھ طبعی طور پر تجوید ہی پائی جاتی ہے۔ اسی لیے حدیث پاک میں عربی لب ولہجہ اختیار کرنے کی تاکید کی جارہی ہے۔ علامہ جزری علیہ الرحمہ اپنے اس شعر میں یہی بات کہنا چاہ رہے ہیں فرماتے ہیں: **مرتلا مجودا بالعربی.** مگر ہاں! خوش آوازی اور لہجہ پیدا کرنے سے قواعد تجوید نہ بگڑیں، ورنہ قاری گنہ گار ہوگا اس لیے کہا گیا ہے کہ خوش آوازی تجوید کے تابع ہونی چاہیے نہ کہ تجوید خوش آوازی کے تابع ۔ لحن کو تجوید کے ساتھ خصوصی علاقہ ہے پس جو لحن بلا تجوید ہو وہ لحن ہی نہیں۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

زینوا القران بأصواتکم . (الاتقان: ج۱،ص۱۰۶)

یعنی قرآن کریم کو زینت دو اپنی آوازوں سے۔

یہ اور اس قسم کی کئی اور احادیث اور واقعات ایسے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم قواعد تجوید کی رعایت کر کے حسن صوت اور عربی لب ولہجہ میں پڑھنا عین سنت نبوی اور صحابۂ کرام کے طریقے کے عین مطابق ہے۔

فائدہ : لحن عربی میں کئی ایک معنی کے لیے آتا ہے، مگر فن تجوید میں اس سے مراد غلطی اور درست راہ سے ہٹ جانا ہے یعنی قرآن کو مطابق اصول نہ پڑھنا۔ لحن کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) لحن جلی (۲) لحن خفی۔

لحن جلی وہ غلطی ہے جو تلفظ پر طاری ہوتی ہے، اور معنی وعرف دونوں میں مخل ہوتی ہے۔ اور لحن خفی معنی میں مخل نہیں ہوتی صرف عرف میں مخل ہوتی ہے۔

لحن جلی وخفی کا حکم : لحن جلی کا پڑھنا اور سننا دونوں حرام، اور اس سے بچنا واجب۔ اگر کسی لحن جلی سے فساد معنی لازم آئے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے، جو نماز دہرانے سے اور سجدۂ سہو سے بھی نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ اس غلطی کو درست نہ کر لیا جائے۔ مثلاً اَللّٰهُ الصَّمَدُ کے صاد کو سین پڑھ دیا جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اکثر ائمہ مساجد وغیرہ سے اس قسم کی غلطیاں سننے میں آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو صحیح قرآن پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے ــــــ

لحن خفی کا پڑھنا اور سننا دونوں مکروہ ہے، بچنا سنت ہے اور روایۃً ناجائز۔

لحن جلی کی چند صورتیں ہیں: (۱) ابدال حرف بحرف آخر۔ (۲) ابدال حرکت بالحرکت۔ (۳) ابدال حرکت بالسکون (۴) ابدال سکون بالحرکت

(۵) مشدد کی جگہ مخفف پڑھنا۔(۶) یا مخفف کی جگہ مشدد پڑھنا۔ (۷) اسی طرح حذف کی جگہ اثبات۔(۸) اور موقع اثبات میں حذف (۹) اور کذب فی الروایت (۱۰) اشباعِ حرکت (۱۱) اور صفات ممیّزہ کا ترک یہ سب لحن جلی کی صورتیں ہیں۔

اسی طرح لحن خفی کی بھی چند صورتیں حسب ذیل ہیں :

ادغام ، اخفا ، اقلاب کی جگہ اظہار یا اظہار کی جگہ ادغام وغیرہ کر دینا۔ مد کی جگہ قصر، اور قصر کی جگہ مد، تحقیق کی جگہ تسہیل اور تسہیل کی جگہ تحقیق۔ تفخیم غیر مستقل کی جگہ ترقیق، یا ترقیق کی جگہ تفخیم کرنا، یا امالہ کی جگہ ترکِ امالہ کرنا، یا ترک امالہ کی جگہ امالہ کرنا۔ یا صلہ کی جگہ ترک صلہ یا ترک صلہ کی جگہ صلہ کر دینا۔ کسی بھی حرکت کو مجہول کر دینا، ترک صفات عارضہ اور ترک صفات غیر ممیّزہ بھی لحن خفی ہے۔ اسی طرح خلط فی الطریق بھی لحن خفی میں شامل ہے ۔ دونوں قسموں کا حکم گزشتہ سطور میں گزر چکا۔

فصل دوم

استعاذہ و بسملہ کے بیان میں

تلاوتِ کلامِ الٰہی سے قبل استعاذہ ضروری ہے ۔ چونکہ اس کا حکم اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے۔ سورۂ نحل میں ارشاد ہے :

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ (نحل:۹۸)

یعنی جب قرآن کریم پڑھنے کا ارادہ کرو تو اللہ کی شیطان رجیم سے پناہ چاہ لو۔

قبل تلاوت بعض ائمہ کرام کے نزدیک استعاذہ واجب ہے، اور اکثر کے نزدیک مستحب ہے، مگر یہ اختلاف اعتقاداً ہے اور عملاً سب کے نزدیک استعاذہ ضروری ہے۔ استعاذہ کے لیے کسی خاص لفظ کی تحدید نہیں مگر استعاذہ کے الفاظ مختار ومروی یہ ہیں۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ۔ کیوں کہ استعاذہ کا یہ صیغہ نص قرآنی کے زیادہ مطابق وموافق ہے، اور اسی کو استعاذۂ رسول بھی کہتے ہیں۔ علامہ دانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

اعلم أن المستعمل عند القراء الحذاق من أهل الأداء في لفظها أعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم دون غيره .

یعنی ماہرین قراء کے نزدیک الفاظ استعاذہ ' اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ' ہی مختار ہیں۔

محقق فن علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ باب الاستعاذہ میں تحریر فرماتے ہیں :

علیٰ ما اتیٰ فی النحل یسراً وان تزد
لربک تنزیھا فلستَ مُجھَّلا

استعاذہ کی کئی صورتیں ہیں یعنی الفاظ کی کمی وبیشی کے ساتھ استعاذہ کے بہت سے صیغے مروی ہیں۔ اضافہ کے ساتھ جیسے: اعوذ باللہ السَّمیعِ العَلیمِ مِنَ الشَّیطانِ الرَّجیمِ ۔ کمی کے ساتھ جیسے: اعوذ باللّٰہِ مِنَ الشَّیطانِ ۔ تغیر کے ساتھ جیسے: اَللّٰھُمَّ اِنّی اعوذُ بِکَ مِن اِبلیسَ وَ جُنُودِہٖ ۔

ثعلبی اور واحدی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پڑھا: أعوذ باللّٰہِ

السمیعِ العلیمِ من الشیطانِ الرجیم تو آپ نے فرمایا: یہ نہیں، بلکہ یوں کہو: أعوذ باللّٰهِ مِنَ الشَّیطانِ الرَّجیمِ هٰکذا أقرأنیه جبریل عن القلم عن اللوح المحفوظ ، مجھ سے جبرئیل نے لوح وقلم سے اسی طرح نقل کیا ہے، لہٰذا انھیں الفاظ سے استعاذہ مختار وپسندیدہ اور بہتر واولیٰ ہے۔ (روح البیان: ۳/۱)

فائدہ: الفاظ استعاذہ میں کمی وبیشی اور تغیر وتبدل اس لیے جائز ہے کہ الفاظ کی تخصیص آیت کریمہ میں منصوص نہیں' صرف حکم وارد ہوا ہے، لیکن اس بات کا خیال رہے کہ استعاذہ میں وہی الفاظ استعمال ہوں جو منقول عن القراء ہوں، چنانچہ علامہ جزری علیہ الرحمہ نے اسی کے متعلق اپنی کتاب 'طیبہ' میں یوں لکھا ہے :

و ان تغیر او تزد لفظا فلا

تعد الذی قد صح مما نقلا

یعنی اگر الفاظ استعاذہ میں کوئی تغیر وتبدل کیا جائے تو نقل سے تجاوز نہ ہو۔

فائدہ: استعاذہ جہراً اور سراً دونوں طرح جائز ہے۔ لیکن قرا کا معمول یہ ہے کہ وہ استعاذہ کو تابع قراءت مانتے ہیں، پس اگر قراءت بالجہر ہے تو استعاذہ بھی بالجہر کرے، اور اگر قراءت بالسر ہو تو استعاذہ بھی بالسر کرے۔

سورۂ براءت کے سوا ہر سورۃ سے قراءت شروع کرتے وقت تمام قراء بلا اختلاف بسم اللہ پڑھتے ہیں اور درمیان سورۃ سے شروع کرنے میں اختیار ہے، خواہ بسم اللہ پڑھی جائے یا نہ پڑھی جائے۔

سورۂ براءۃ ہی سے ابتدائے قراءت کی صورت میں بسم اللہ پڑھنے اور نہ پڑھنے کے متعلق کئی اقوال ہیں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سورۃ کے نزول میں بسم اللہ شریف لکھواتے تھے مگر سورۂ توبہ نازل ہوئی تو بسم اللہ نہیں لکھوائی۔ اس سورۃ کا نزول چوں کہ

مشرکوں پر غصے کے اظہار اور قتل کے حکم کے ساتھ ہوا، اس لیے تسمیہ پڑھنی جائز نہیں۔ درمیانِ قراءت میں سورۂ انفال اور سورۂ براءۃ کے درمیان حذفِ بسم اللہ پر اجماع ہے، محقق ابن جزری فرماتے ہیں کہ متقدمین میں سے کسی کا قول اس کے خلاف نہیں پایا جاتا۔ البتہ بعض متاخرین مثلاً امام ابوالحسن سخاوی، ابوالفتح ابن شیطا، اور امام طحاوی وغیرہم نے سورۂ براءۃ سے قراءت شروع کرنے کی صورت میں بسم اللہ شریف پڑھنے کو جائز کہا ہے۔ چنانچہ علامہ خاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **التسمية فى اول براءة فى القراءة وهو القياس.** یعنی ابتدائے براءۃ پر بسم اللہ کا پڑھنا قیاس کے مطابق ہے۔ کیوں کہ حذف بسم اللہ یا تو اس وجہ سے ہے کہ یہ سورۃ حکم سیف کے ساتھ نازل ہوئی تھی، یا اس وجہ سے کہ انفال سے علاحدہ مستقلاً سورۃ ہونے کا فیصلہ قطعی طور پر نہ ہوسکا۔ اب اگر وجہ ممانعت نزول بالسیف ہے تو یہ غضب ان کے ساتھ تھا جن کے حق میں یہ نازل ہوئی اور ہم تو برکۃً وتیمناً بسم اللہ شریف پڑھتے ہیں۔ اور اگر وجہ ممانعت اس کے مستقل سورۃ ہونے کا قطعی فیصلہ نہ ہونا ہے تو چونکہ درمیانِ سورۃ میں بسم اللہ کا پڑھنا جائز ہے۔ لہٰذا سورۂ براءۃ پر بھی جائز ہوگا۔

ابوالفتح ابن شیطا کہتے ہیں کہ براءۃ سے ابتدا کرتے وقت اگر تبرکاً بسم اللہ پڑھی جائے تو کوئی حرج نہیں مگر سورۂ انفال کے اتصال کے ساتھ براءت پر بسم اللہ کی تلاوت بدعت وضلالت، خرقِ اجماع اور مصحف کی رسم کے خلاف ہے۔

محقق ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ براءت کی ابتدا میں بھی بسم اللہ پڑھنا خرقِ اجماع اور مصحف کا خلاف ہے، اور رائے' نص سے متصادم نہیں ہوسکتی، لہٰذا اِتباع کے لیے عدم بسملہ اولیٰ ہے۔

تیسیر القاری شرح بخاری میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بسملہ

کا حکم نہیں فرمایا، اس بنا پر کہ براءت پر بسملہ کے بارے میں آپ ﷺ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی ، اور نہ صحابہ نے اس پر مصاحف میں بسملہ لکھی جیسا کہ یہ اس حدیث سے اخذ کیا جاتا ہے۔ حاکم نے روایت کیا ہے اور یہ صحیح ترین قول ہے کہ دورِ صحابہ سے یہی عمل ہے کہ یہاں بسملہ نہیں پڑھائی جاتی اور ظاہر ہے کہ نقلیات میں اتباع ہی اہم ہے۔

امام قرطبی اول براءت سے سقوطِ بسملہ کے باب میں ایک نئی بات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

کان من شان العرب فی زمانها فی الجاهلیة اذا کان بینهم و بین قوم عهد فاذا ارادوا نقضه کتبوا الیهم کتاباً و لم یکتبوا فیه البسملة فلما نزلت سورة براء ة بنقض العهد الذی کان بین النبی صلی الله علیه وسلم و المشرکین بعث بها النبی صلی الله علیه وسلم علیا فقرأه علیهم فی الموسم و لم یبسمل فی ذالک علی ما جرت به عادتهم فی نقض العهد من ترک البسملة .

دیکھئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صرف اس سورۃ کے اعلان کی غرض سے بھیجا گیا تھا آپ نے تین مرتبہ صدیق اکبر کے خطبہ کے بعد اس کو سنایا اور ابتدا میں بسملہ نہیں پڑھی اور یہ وہی صورت ابتدائے قراءت ابتدائے براءۃ کی ہے۔

اس جگہ امام طحاوی علیہ الرحمہ مجوزین بسملہ کی طرف سے ایک بات یہ فرمارہے ہیں کہ اگر ابتدائے سورۃ میں بسملہ کا نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ بسملہ آیت رحمت ہے اور سورۂ براءت سیف وغضب اور ان کا اجتماع نامناسب، تو یہ صحیح نہیں، کیوں کہ اگر یہی بات ہوتی تو ''ویل لکل همزة ''اور''تبت یدا ابی لهب '' کی ابتدا میں

بھی بسملہ نہ ہونی چاہیے تھی کہ اس میں بھی غضب خداوندی ہے۔

صاحب روح المعانی اس اعتراض کو نقل فرما کر جواب دے رہے ہیں کہ ان سورتوں کا براءت سے کوئی جوڑ نہیں، ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کیوں کہ براءت میں کماً و کیفاً ہر دو طرح منافقین و کفار اور مومنین تمام ہی کی شان میں جس شدت و وعید، غیظ و غضب، قتال و جہاد کا اظہار کیا گیا ہے، دوسری کسی بھی سورۃ میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہے، نیز خاص براءت میں بسملہ اس کے مضمون و شانِ نزول کے لحاظ سے نقض عہد کے وقت ترک وحذف بسملہ والے مذاق ومزاج وعادت وشان عرب کے موافق ومناسب نہیں ورنہ بسملہ کے اثبات سے عادت عرب کے پیش نظر براءت ونقض عہد میں نرمی وگنجائش کا وہم ہوگا جو خلافِ مقصود ہے جب کہ ''تبت یدا'' اور ''ویل لکل'' میں نقض عہد نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے ترک بسملہ والے مذاقِ عرب وعادتِ عرب کی رعایت ہوتی، لہٰذا ان دونوں سورتوں سے براءت میں عدم بسملہ پر اعتراض صحیح نہیں ہے۔

علامہ آلوسی بحث کے اخیر میں فرماتے ہیں : **و الحق استحباب ترکھا حیث انھا لم تکتب فی الامام و لا یقتدی بغیرہ** . (روح المعانی:۱۰/۴۱)

لہٰذا احناف کی رائے میں اگر کسی نے بسملہ پڑھ لیا تو اس کی بھی گنجائش ہے گو کہ غیر اولیٰ ہے، یہی وجہ ہے کہ بہارِ شریعت اور قانونِ شریعت وغیرہ میں ابتدائے براءت پر بسملہ پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے۔ البتہ شوافع کے یہاں بسملہ کا پڑھنا جائز ہی نہیں اور امام جزری چوں کہ شافعی المسلک ہیں اس لیے اس کو شدومد سے ناجائز فرما رہے ہیں۔

سورۂ انفال پر بہر حال سب قرا کے نزدیک بہر حال بسملہ پڑھی جائے گی خواہ ابتدا حقیقی ہو یا حکمی۔

سورۂ توبہ کے شروع میں بسملہ نہ پڑھنے کی وجہیں :

یوں تو براءۃ کے شروع میں تسمیہ نہ پڑھے جانے کی کتابوں میں کئی صورتیں ملتی ہیں مگران میں سے چند بیان کی جاتی ہیں :

(۱) حضرت جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہر سورہ کے آغاز میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بسملہ کا حکم دیتے تھے، یہاں بسملہ کا حکم ہی نہ فرمایا۔(اتقان)

(۲) چوں کہ بسملہ آیت رحمت ہے اور سورۂ براءت کی ابتدائی آیت' آیت غضب ہے اس لیے دونوں اکٹھا نہیں ہوسکتے ، بالکل ایسے ہی جیسے آگ اور پانی۔ حضرت امام شاطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''قصیدۂ لامیہ'' کے اس شعر میں اسی حکمت کی طرف اشارہ کیا ہے :

و مهما تصلها أو بدأت براءة ☆ لتنزيلها بالسيف لست مبسملا

اور جب تو کسی سورہ کا توبہ سے وصل یا خود براءت ہی سے ابتدائے قراءت کرے تو تنزیل بالسیف کی وجہ سے بسملہ نہ پڑھی جائے گی۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے سورۂ براءت کے آغاز میں بسملہ نہ لکھے جانے کا راز پوچھا تو آپ نے یہ ہی جواب دیا کہ بسملہ امان ورحمت ہے اور سورۂ براءت سیف وغیظ کے ساتھ نازل ہوئی ہے۔ (الاتقان: ۱/۲۰۸)

(۴) بعض لوگ سورۂ براءۃ کو سورۂ انفال کا جز، تکملہ، تتمہ اور ضمیمہ مانتے ہیں، اس لیے کہتے ہیں کہ درمیانِ سورہ میں بسملہ پڑھنے کا کیا مطلب؟ (گو برکۃً جائز ہے۔)

استعاذہ اور بسملہ کی اس تفصیل کا اجمال یہ ہے کہ استعاذہ کے متعلق چار چیزوں کا جاننا ضروری ہے (۱) الفاظ استعاذہ (۲) حکم استعاذہ (۳) محل استعاذہ (۴) کیفیت استعاذہ۔

الفاظ استعاذہ : استعاذہ کا مختار ومعمول بہا صیغہ اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم ہے۔اس میں کمی وزیادتی بھی کی جاسکتی ہے مثلا اعوذ باللّٰہ من الشیطان . یا اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم وغیرہ۔

حکم استعاذہ : استعاذہ کا حکم یہ ہے کہ قرآن کریم کا آغاز کرنے سے پہلے اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم پڑھنا سنت مستحبہ ہے۔جیسا کہ خلاصہ میں ہے: والاستعاذة عندنا سنة مستحبة .

محل استعاذہ : استعاذہ پڑھنے کی جگہ ابتدائے قراءت ہے۔خواہ شروع سورہ ہو یا درمیانِ سورت۔

کیفیت استعاذہ : استعاذہ خواہ زور سے پڑھے خواہ آہستہ سے، دونوں جائز وروا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ استعاذہ کو قراءت کے تابع کردیا جائے۔یعنی اگر قراءت بالجہر ہو تو استعاذہ بھی بالجہر پڑھے، اور اگر قراءت بالسر ہو تو استعاذہ بھی بالسر۔لیکن یہ حکم خارجِ نماز کا ہے، نماز میں احناف کے نزدیک تعوذ وتسمیہ میں بہر صورت جہر جائز نہیں۔

بسملہ کے متعلق تین چیزوں کا جاننا ضروری ہے: (۱) حکم بسملہ۔ (۲) محل بسملہ۔ (۳) کیفیت بسملہ۔

حکم بسملہ : بسملہ ہر سورہ کے شروع میں پڑھنا امام عاصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک واجب ہے۔کیوں کہ یہ بسملہ کو ہر سورہ کا جزو مانتے ہیں۔اگر کسی

نے روایت حفص میں کسی سورہ کی بغیر بسملہ کے تلاوت کی تو اس کو کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ پوری سورہ ناقص ہوگی، سوائے سورۂ توبہ کے۔ کہ سورۂ توبہ اور سورۂ انفال وصل کر کے پڑھنے میں کسی کے نزدیک بسملہ نہیں ہے۔

محل بسملہ : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کی جگہ اصلاً تو ابتدائے سورہ ہے خواہ شروع قراءت ہو یا درمیانِ قراءت۔ مگر ابتدائے قراءت درمیانِ سورہ میں محل نہ ہونے کے باوجود بسملہ برائے حصولِ برکت پڑھا جائے۔

کیفیت بسملہ : کیفیت کے بارے میں بسملہ کا بھی وہی حکم ہے جو استعاذہ کا کہ بالجہر اور بالسر پڑھے جانے میں یہ بھی تابع قراءت ہے۔

قواعد استعاذہ و بسملہ بلحاظ وصل و فصل

استعاذہ اور بسملہ کے وصل وفصل کے اعتبار سے تین قاعدے ہیں۔ (۱) شروع قراءت شروع سورہ (۲) شروع سورہ درمیان قراءت (۳) شروع قراءت درمیان سورہ۔

۱— اگر قراءت کی بھی ابتدا ہو اور سورہ کی بھی ابتدا ہو تو دونوں کا محل ہونے کی وجہ سے وہاں استعاذہ اور بسملہ دونوں پڑھے جائیں گے، جس کی چار صورتیں ہیں۔

فصل کل : یعنی استعاذہ، بسملہ اور سورہ ہر ایک کو الگ الگ تین سانسوں میں پڑھنا

وصل کل : یعنی استعاذہ، بسملہ اور سورہ تینوں کو ملا کر ایک سانس میں پڑھنا۔

وصل اول فصل ثانی : یعنی استعاذہ و بسملہ کو ایک ساتھ اور سورہ کو علاحدہ کر کے پڑھنا۔

فصل اول وصل ثانی : یعنی استعاذہ کو بسملہ سے الگ کرنا اور بسملہ کو سورہ سے ملا کر پڑھنا۔

۲۔ اگر قراءت کا وسط ہو اور سورہ کی ابتدا، یعنی ایک سورہ کو پورا کر کے دوسری سورہ شروع کریں تو یہ قراءت کا وسط اور سورہ کی ابتدا کہلائے گی، عقلی وجہیں تو اس میں بھی چار ہی نکلیں گی مگر بروایت حفص یہاں صرف تین صورتیں جائز ہیں۔ (۱) وصل کل (۲) فصل کل (۳) فصل اول وصل ثانی۔ چوتھی صورت یعنی وصل اول فصل ثانی یہاں ناجائز ہے مثلاً غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ٥ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہ اس سورہ میں بسملہ کا تعلق آخر سورۂ فاتحہ سے ہو جائے گا جب کہ امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بسملہ ہر آنے والی سورہ کا جزء ہے۔

۳۔ اگر قراءت کی ابتدا درمیان سورہ سے کی جائے تو استعاذہ پڑھنا ضروری ہے اور بسملہ پڑھنا موجب برکت ہے کیوں کہ سورہ کے اوساط و اجزا میں بسملہ پڑھنے کا اختیار دیا گیا ہے، اگر بسملہ پڑھیں تو دو صورتیں ہوں گی۔(۱) فصل کل (۲) وصل اول فصل ثانی۔ اگر بسملہ نہ پڑھیں تو استعاذہ کا سورہ کے حصے سے وصل بھی جائز ہے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ذاتی یا صفاتی نام نہ ہو۔ جیسے أعوذ باللّٰهِ من الشيطانِ الرجيمِ ٥ الْمَلِكِ الْقُدُّوس یا أعوذ باللّٰه من الشيطانِ الرجيمِ ٥ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وغیرہ. ملک اللہ کا صفتی نام اور محمد حضور کا ذاتی نام ہے، اس لیے استعاذہ کا ان سے وصل درست نہیں۔

نوٹ : درمیانِ قراءت اور درمیانِ سورہ میں استعاذہ و بسملہ کسی کی ضرورت نہیں کیوں کہ یہ نہ تو تعوذ کا محل ہے اور نہ تسمیہ کی جگہ۔ ہاں! اگر دورانِ قراءت کوئی دوسرا کام کر لیا، مثلاً سلام کرنا، جواب دینا، سجدۂ سہو کرنا وغیرہ تو اس صورت میں استعاذہ پڑھ کے قراءت شروع کرنا چاہیے۔ بعض حضرات بسملہ پڑھ کر شروع کرتے ہیں یہ نامناسب ہے۔

(۵) مشدد کی جگہ مخفف پڑھنا۔(٦) یا مخفف کی جگہ مشدد پڑھنا۔ (۷) اسی طرح حذف کی جگہ اثبات ۔(۸) اور موقع اثبات میں حذف (۹) اور کذب فی الروایت (۱۰) اشباعِ حرکت (۱۱) اور صفات ممیّزہ کا ترک یہ سب لحن جلی کی صورتیں ہیں۔

اسی طرح لحن خفی کی بھی چند صورتیں حسب ذیل ہیں :

ادغام ، اخفا ، اقلاب کی جگہ اظہار یا اظہار کی جگہ ادغام وغیرہ کر دینا۔ مد کی جگہ قصر، اور قصر کی جگہ مد ۔ تحقیق کی جگہ تسہیل اور تسہیل کی جگہ تحقیق ۔تفخیم غیر مستقل کی جگہ ترقیق، یا ترقیق کی جگہ تفخیم کرنا، یا امالہ کی جگہ ترکِ امالہ کرنا، یا ترک امالہ کی جگہ امالہ کرنا۔ یا صلہ کی جگہ ترک صلہ یا ترک صلہ کی جگہ صلہ کر دینا۔ کسی بھی حرکت کو مجہول کر دینا، ترک صفات عارضہ اور ترک صفات غیر ممیّزہ بھی لحن خفی ہے۔ اسی طرح خلط فی الطریق بھی لحن خفی میں شامل ہے ۔ دونوں قسموں کا حکم گزشتہ سطور میں گزر چکا۔

فصل دوم

استعاذہ و بسملہ کے بیان میں

تلاوتِ کلامِ الٰہی سے قبل استعاذہ ضروری ہے ۔ چونکہ اس کا حکم اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے۔ سورۂ نحل میں ارشاد ہے :

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ (نحل:۹۸)

موقع پر یا تو اعوذ باللہ نہیں پڑھنی چاہیے، یا پھر استعاذہ ہی کرے' قال اللہ' والا صیغہ استعمال نہ کرے۔ (افادۂ ازہری۔ دام ظلہ۔)

وجہ یہ ہے کہ تعوذ کے مروج الفاظ مقولۂ الٰہی نہیں، اس لیے فقد قال اللہ تعالیٰ کی جگہ فاعوذ باللّٰہِ من الشیطانِ الرجیم پڑھنا چاہیے۔ اور پھر تسمیہ و آیت قرآنی۔ (افادۂ نعمانی۔ دام ظلہ۔)

فصل سوم

مخارج اور دانتوں کے نام وغیرہ

مخرج: یہ تجوید کا پہلا جز ہے۔ مخارج' مخرج کی جمع ہے بروزن مَفْعَل۔ یہ اسم ظرف ہے جس کا لغوی معنی نکلنے کی جگہ ہے۔ اصطلاح قراء میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے۔ **الحیز المولد للحرف و موضع ظهور الحرف و تمیزه عن الغیر** یعنی حرف کے پیدا ہونے (بننے) کی اور حرف کے ظہور اور اپنے غیر سے ممتاز ہونے کی جگہ۔

مخارج کی تعداد میں محققین کے کئی اقوال ہیں۔ چنانچہ علامہ فراء کے نزدیک مخارج چودہ ہیں۔ علامہ سیبویہ کے نزدیک سولہ۔ اور علامہ خلیل بن احمد الفراہیدی کے نزدیک سترہ ہیں۔ واضح رہے کہ یہ اختلاف حقیقی نہیں بلکہ اعتباری ہے۔ حقیقۃً ہر حرف کا مخرج علاحدہ ہے مگر بعض مخارجِ حروف میں غایت درجہ کی قربت ہونے کی وجہ سے ہر ایک کو علاحدہ بیان کرنا بہت مشکل تھا۔ اس لیے کئی حروف ایک مخرج کے تحت بیان کردیے گئے۔ چنانچہ علامہ خلیل نحوی کے قول کو اکثر علمائے تجوید نے اختیار کیا ہے۔

محقق فن امام جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

مخارج الحروف سبعة عشر　　　علی الذی یختارہ من اختبر

یعنی حرفوں کے مخارج سترہ ہیں ایک جانچ پرکھ کرنے والے محقق کے قول مختار پر۔

مخرج کی دو قسمیں ہیں : (۱) مخرج محقق (۲) مخرج مقدر

مخرج محقق : جس حرف کی آواز اپنے مخرج پر ٹھہر جائے وہ محقق ہے۔

مخرج مقدر : جس حرف کی آواز مخرج سے نکل کر سانس پر ٹھہرے وہ مقدر ہے۔

مخرج محقق تین ہیں : (۱) حلق (۲) لسان (۳) شفتہ ۔ ان کو اصولِ مخارج (مخرج کی اصلیں) بھی کہتے ہیں۔

اصول مخارج : ان جگہوں کو کہتے ہیں جن میں ایک سے زیادہ مخارج ہوں۔

سترہ مخارج میں سے پندرہ تو محقق ہیں اور دو مقدر : ایک جوف ، دوسرے خیشوم.

فائدہ: اصول مخارج میں سے حلق میں تین مخرج ہیں ــــــ لسان یعنی زبان سے متعلق منہ میں دس مخرج ہیں ــــــ اور شفتہ یعنی ہونٹوں میں دو مخرج ہیں ــــ اور مخرج مقدر دو ہیں: جوف اور خیشوم۔ اس طرح کل سترہ مخرج ہوئے۔

فائدہ: جمہور کی رائے میں حروفِ عربیہ انتیس ہیں مگر مبرد کی رائے میں اٹھائیس ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ الف ہمزہ ہی ہے چونکہ ہر حرف کے شروع میں اس کی آواز جاتی ہے۔ الف کے شروع میں ہمزہ کی آواز موجود ہے، لہٰذا الف کوئی مستقل حرف نہیں۔ جمہور نے یہ الزامی جواب دیا کہ اگر آپ کی یہ بات تسلیم کر لی جائے تو ہمزہ کے وجود سے بھی انکار کرنا ہوگا کیوں کہ ہمزہ کے شروع میں ہا ہے، لہٰذا ہمزہ ہا ہونا چاہیے۔ حالانکہ ہمزہ اور ہا قطعاً دو حرف ہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ دونوں ایک

دوسرے سے بدلتے ہیں اور بدلنا تغایر ہے، جب کہ ایک شے خود اپنے نفس سے تبدیل نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا صحیح تر قول جمہور ہی کا ہے۔

حلق میں تین مخارج ہیں :-

(۱) شروع حلق سینے کی جانب سے ہمزہ اور ہا نکلتے ہیں۔

(۲) درمیان حلق سے عین اور حا نکلتے ہیں۔

(۳) اخیر حلق سے غین اور خا نکلتے ہیں۔

لسان کے مخارج دس ہیں اور ان سے اٹھارہ حروف ادا ہوتے ہیں:-

(۴) جڑ زبان تالو سے مل کر قاف نکلتا ہے۔

(۵) قاف کے مخرج سے ذرا ہٹ کر کاف نکلتا ہے۔

(۶) بیچ زبان تالو سے مل کر جیم، شین، یا (غیر مدہ) نکلتے ہیں۔

(۷) کنارہ زبان ڈاڑھ سے مل کر ضاد[1] نکلتا ہے۔

---

(۱) مجود اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ 'ض' کا مخرج بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:
'ض' کا مخرج ایک طرف کی کروٹ اسی طرف کی بالائی داڑھوں سے مل کر درازی کے ساتھ ادا ہونا اور زبان اوپر کو اٹھ کر تالو سے ملنا اور ادا میں سختی وقوت ہونا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ: ص ۲۷۲-ج ۶)

نیز آگے فرماتے ہیں: یہ (ضاد) دشوار ترین حرف ہے اور اس کی ادا خصوصاً عجم پر کہ ان کی زبان کا حرف نہیں، سخت مشکل۔ مسلمانوں پر لازم کہ اس کا مخرج صحیح سے ادا کرنا سیکھیں اور کوشش کریں کہ ٹھیک ادا ہو اپنی طرف سے نہ ظاد کا قصد کریں نہ ذُواد کا کہ دونوں محض غلط ہیں اور جب اس نے حسب وسع وطاقت جہد کیا اور حرف کو صحیح ادا کرنے کا قصد کیا پھر کچھ نکلے اس پر مواخذہ نہیں **لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا** ـــــــ 'ض' کو اللہ تعالیٰ نے اتنا بلند پیدا کیا ہے کہ کوئی حرف بھی اس کا قریبی نہیں گردانا جاسکتا۔ اسی لیے سیبویہ نے کہا اور خوب کہا: اگر صاد میں اطباق نہ ہو تو وہ سین ہو جائے، اگر ظا میں نہ ہو تو ذال بن جائے، اگر طا میں نہ ہو تو وہ تا بن جائے اور ضاد کلام ہی سے خارج ہو جائے کیوں کہ اس کے متبادل کوئی حرف ہی نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ: ص ۲۹۸-ج ۶)

(۸) کنارہ زبان مسوڑھے سے مل کر لام نکلتا ہے۔

(۹) سرا زبان تالو سے مل کر نون نکلتا ہے۔

(۱۰) پشت سرا زبان تالو سے را نکلتی ہے۔

(۱۱) سرا زبان ثنایا علیا کی جڑ سے تا، دال، طا نکلتے ہیں۔

(۱۲) سرا زبان اور سرا ثنایا علیا سے ثا، ذال، ظا نکلتے ہیں۔

(۱۳) سرا زبان درمیان سرا ثنایا علیا و سفلےٰ سے زا، سین، صاد نکلتے ہیں۔

شفتین میں دو مخارج ہیں اور ان سے چار حرف نکلتے ہیں :-

(۱۴) سرا ثنایا علیا نیچے کے ہونٹ سے فا نکلتا ہے۔

(۱۵) دونوں ہونٹ سے با، میم اور کچھ کھلا رہ کر واؤ (غیر مدہ) نکلتے ہیں۔

(۱۶) مخرج جوف' اس میں تین مخارج ہیں: جوف حلق سے الف، اور جوف وسط زبان و تالو سے یا مدہ' اور جوف وسط شفتین سے واوٗ مدہ نکلتا ہے۔

(۱۷) مخرج خیشوم' اس سے حرف غنہ نکلتا ہے۔ یہ ناک کے سخت حصے سے ادا ہوتا ہے، اس سے مراد نون مخفی و مدغم بادغام ناقص ہے۔

فائدہ : چونکہ اکثر مخارج حروف کا تعلق دانتوں سے ہے، اس لیے دانتوں کا پہچاننا بھی ضروری ہے۔ دانتوں کے نام اور تعریف مندرجہ ذیل ہیں : (۱) ثنایا (۲) رباعیات (۳) انیاب (۴) ضواحک (۵) طواحن (۶) نواجذ۔

ثَنَایَا : سامنے کے اوپر نیچے کے چار دانتوں کو ثنایا کہتے ہیں۔ دو اوپر والوں کو ثنایا علیا اور دو نیچے والوں کو ثنایا سفلےٰ کہتے ہیں۔

رَبَاعِیَات : ثنایا کے دائیں بائیں اوپر نیچے ایک ایک۔ کل چار دانت۔ اسے قَواطِعُ بھی کہتے ہیں۔

اَنْیَاب : رباعیات کے دائیں بائیں اوپر نیچے ایک ایک۔کل چار دانت۔ اس کو کَوَاسِرْ بھی کہا جاتا ہے۔

ضَوَاحِک : انیاب کے دائیں بائیں اوپر نیچے ایک ایک۔کل چار دانت

طَوَاحِن : ضواحک کے دائیں بائیں اوپر نیچے تین تین۔کل بارہ دانت

نَوَاجِذ : طواحن کے دائیں بائیں اوپر نیچے ایک ایک۔کل چار دانت

فائدہ: ثنایا، رباعیات، انیاب یہ بارہ دانت ہیں۔اور ضواحک، طواحن اور نواجذ یہ بیس ڈاڑھیں کہلاتی ہیں، ان کو عربی میں اضراس کہتے ہیں۔دانتوں کے متعلق یاد کرنے کے لیے یہ نظم کافی ہے۔

دانت کل بتیس ہیں اے مہرباں! ✦ سولہ اوپر سولہ نیچے ہیں عیاں

ہیں ثنایا سامنے کے دانت چار ✦ دو ہیں علیا دو ہیں سفلیٰ آشکار

پھر رباعی چار ہیں اے مرد نیک ✦ سب ثنایا سے ملے ہیں ایک ایک

ہیں رباعی سے ملے انیاب چار ✦ باقی بیس اضراس ہیں اے باوقار

ہیں ضواحک چار ان میں دیکھ لے ✦ متصل ہیں ایک اک انیاب سے

ان کے پہلو میں طواحن تین تین ✦ کل ہیں بارہ دانت اے مرد متین

ہیں نواجذ چار آخر کے جناب ✦ ختم شد واللہ أعلم بالصّواب

فصل چہارم

اسمائے حروف اور ان کی وجہِ تسمیہ

(۱) حروف حلقیہ (۲) لہویہ (۳) شجریہ (۴) حافیہ (۵) طرفیہ (۶) نطعیہ (۷) لثویہ (۸) صفیریہ (۹) شفویہ (۱۰) مدہ (۱۱) غنہ۔

حَلْقِیہ : یہ چھ ہیں: ء ، ہ ، ع ، ح ، غ ، خ۔ یہ حروف چونکہ حلق سے ادا ہوتے ہیں اس لیے ان کو حلقیہ کہتے ہیں۔

لَہْوِیَہ : یہ دو ہیں: ق ، ک۔ کیوں کہ یہ دونوں حروف لہات (حلق کے کوّے) کے قریب سے ادا ہوتے ہیں اس لیے ان کو لہویہ کہتے ہیں۔

شَجَرِیہ : یہ تین ہیں: ج ، ش ، ی غیر مدہ۔ چونکہ یہ حروف شجر فم یعنی جبڑوں کے درمیانی حصہ سے ادا ہوتے ہیں اس لیے ان کو شجریہ کہتے ہیں۔ یہ حروف ادائیگی کے وقت منہ میں پھیل جاتے ہیں جیسے درخت پھیلتے ہیں اس لیے بھی ان کو شجریہ کہا جاتا ہے۔

حَافِیَہ: ضاد کو کہتے ہیں۔ زبان کا وہ حصہ جو ڈاڑھوں کے مقابل ہے اس کے بغلی کنارے کو حافہ کہتے ہیں، اسی نسبت سے ضاد کو حافیہ کہتے ہیں۔

طَرَفِیہ: یہ تین حروف ہیں: ل ، ن ، ر۔ زبان کا وہ حصہ جو دانتوں کے مقابل ہے اس کو طرفِ لسان کہتے ہیں اسی وجہ سے ان کو طرفیہ کہتے ہیں۔

نِطَعِیہ: یہ بھی تین حروف ہیں: ط ، ت ، د۔ نطع اوپری تالو کی کھردری لکیردار جلد کو کہتے ہیں۔ چونکہ ان کی ادائیگی کے وقت نوک زبان نطع کے قریب لگتی ہے، اسی وجہ سے ان کو نطعیہ کہتے ہیں۔

لثویہ: ث ، ذ ، ظ۔ یہ تین حروف ہیں۔ جن دانتوں کے کنارے سے یہ حروف ادا ہوتے ہیں، وہ دانت جن مسوڑوں سے لگے ہوئے ہیں ان کو لثہ کہتے ہیں اسی لیے یہ حروف 'لثویہ کہلاتے ہیں۔

صَفِیْرِیہ: ز ، س ، ص۔ کو کہتے ہیں۔ صفورہ ایک چڑیا کا نام ہے۔ وہ سیٹی کی مانند آواز سے بولتی ہے چونکہ اِن حروف کی ادائیگی کے وقت سیٹی کی طرح آواز نکلتی ہے، اس لیے ان کو صفیریہ کہتے ہیں۔

شفَویہ: یہ چار ہیں: ب ، ف ، م ، واؤ غیر مدہ۔ ہونٹوں سے ادا ہونے کی وجہ سے یہ حروف 'شفویہ کہے جاتے ہیں۔

مَدّہ: یہ تین ہیں: ا ، و ، ی۔ جب کہ یہ ساکن ہوں اور ماقبل کی حرکت ان کے موافق ہو۔ مد کے معنی کھینچنا۔ چونکہ یہ حروف جب مدہ ہوتے ہیں تو ان کو کھینچ کر پڑھا جاتا ہے اسی لیے ان کو مدہ کہتے ہیں، اور ان کو جوفیہ اور ہوائیہ بھی کہتے ہیں۔ جوفِ دہن کی وجہ سے جوفیہ، اور ہوا پر منتہی ہونے کی وجہ سے ہوائیہ۔

غُنّہ: دو ہیں: ایک نون ومیم مخفی، دوسرے نون مدغم بادغام ناقص۔ غنہ سے مراد ناک کی وہ گنگنی آواز ہے جو نون اور میم کے ادا ہوتے وقت ان میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور یہ صفت نون ومیم میں بطورِ صفت لازمہ کے ہے۔ اگر غنہ ادا نہ ہو تو نون اور میم صحیح ادا نہ ہوں گے۔

غنہ ادا میں دو طرح پر واقع ہوتا ہے: ایک صفت غنہ - دوسرے حرفِ غنہ۔ صفت غنہ نون اور میم میں (بحالت اظہار) بطورِ لزوم ہے اسی کو غنہ آنی بھی کہتے ہیں۔ جب کہ حرف غنہ نون اور میم میں اخفا اور ادغام ناقص کی حالت میں پایا جائے گا، اس کو غنہ زمانی بھی کہتے ہیں۔ کیوں کہ اس وقت نون اور میم خیشوم سے بقدر ایک الف متجاوز ہو کر نکلتے ہیں اور یہی غنہ حرف فرعی ہو جاتا ہے۔

فصل پنجم

صفات حروف اور ان کی قسمیں

محققین کے نزدیک مخارج مثل ترازو اور صفات مثل کسوٹی کے ہیں، لہٰذا مخارج کے ساتھ صفات کی بھی اتنی ہی قدر واہمیت ہے۔ اگر صفات نہ ہوں تو انسان کی آواز اور چوپائے وبہائم کی آواز میں کوئی خط امتیاز نہ رہے۔

صفت' یہ تجوید کا دوسرا جز ہے۔ اس کے بغیر حرف مکمل ادا نہیں ہوتا۔ صفت کا لغوی معنیٰ ہے: مَا قَامَ بالشیئ یعنی جو کسی شے کے ساتھ قائم ہو، اور موصوف کے بغیر پایا جانا ممکن نہ ہو مثلاً علم اور سیاہی کا تحقق بغیر عالم اور بغیر سیاہ چیز کے نہیں ہوسکتا۔ اور اصطلاح میں صفت کی تعریف یہ ہے: هي كيفية عارضة للحروف عند حصوله في المخرج من الجهر والرخاوة والهمس والشدة ونحوها" یعنی صفت حرف کی وہ کیفیت ہے جو مخرج سے ادا ہوتے وقت اس کو پیش آتی ہے جیسا کہ سانس اور آواز کا جاری رہنا یا بند ہو جانا اور حرف کا سخت ہونا یا نرم ہونا وغیرہ۔

صفت کی اولاً دو قسمیں ہیں: (۱) لازمہ (۲) عارضہ۔

صفت لازمہ : یہ وہ صفت ہے جو حرف کے ساتھ ہر حال میں پائی جائے۔ کبھی اس سے جدا نہ ہو۔ مثلاً 'ط' کے اندر صفت استعلا ہے اس کو ہمیشہ ہر حال میں پُر اور موٹا پڑھا جائے گا۔ اس کے اندر یہ صفت بطورِ لزوم ہے کہ کبھی جدا نہ ہوگی، ورنہ حرف ہی بگڑ جائے گا۔

صفت عَارِضَۃْ : یہ وہ صفت ہے جو کسی سبب سے پائی جائے بشرطیکہ روایت سے بھی ثابت ہو، اور کبھی حرف سے جدا بھی ہو جائے۔ جیسے را کو پُر، اور کبھی باریک پڑھنا۔ لام کو پُر اور کبھی باریک پڑھنا وغیرہ۔ چونکہ صفات لازمہ کا تعلق حروف کے ساتھ بہ نسبت صفات عارضہ کے زیادہ ہوتا ہے اس لیے ہم پہلے ان ہی کو بیان کریں گے۔

صفت لازمہ کی باعتبار تمایز دو قسمیں ہیں: (۱) صفت لازمہ ممیّزہ (۲) صفت لازمہ غیر ممیّزہ۔

صفت لازمہ مُمَیِّزَہْ : جس کے ذریعہ مشابہ بالصوت حرفوں میں یا ایک مخرج کے حرفوں میں تمیز حاصل ہو۔

صفت لازمہ غیر مُمَیِّزَہْ : جس کے ذریعہ دونوں صورتوں یعنی مشابہ فی الصوت یا ایک مخرج کے حرفوں میں تمیز حاصل نہ ہو۔

صفت لازمہ کی باعتبار تقابل دو قسمیں ہیں : (۱) متضادہ (۲) غیر متضادہ۔

صفت لازمہ مُتَضَادَّہ : یہ وہ صفت ہے کہ جس کے مقابلے میں کوئی دوسری صفت بیان کی جائے۔

صفات لازمہ متضادہ دس ہیں، جن میں پانچ صفتیں پانچ کی ضد ہیں۔

صفت لازمہ غَیر مُتَضَادَّہْ : یہ وہ صفت ہے کہ جس کے مقابلے میں کوئی دوسری صفت نہ بیان کی جائے۔ صفات لازمہ غیر متضادہ سات ہیں۔

صفات لازمہ متضادہ کا تقابل اور تعریف

صفات		اضداد
همس		جهر
شدت	(توسط)	رخو
استعلا		استفال
اطباق		انفتاح
اذلاق		اصمات

هَمْس : ہمس کے لغوی معنی پست آواز کے ہیں اور مجودین کی اصطلاح میں ہمس کے معنی ہیں حرف کے ادا ہوتے وقت آواز کا مخرج میں ایسے ضعف کے ساتھ ٹھہرنا کہ اس کے اثر سے سانس جاری رہ سکے اور آواز پست ہو، جیسے یَلْهَثْ کی (ث)۔ جن حروف میں یہ صفت پائی جائے اس کو مہموسہ کہیں گے۔ یہ صفت دس حرفوں میں پائی جاتی ہے: ت ، ث ، ح ، خ ، س ، ش ، ص ، ف ، ک ، ہ ، جو فَحَثَّهُ شَخْصٌ سَكَتْ میں مرکب ہیں۔

جَهْر : جہر کے معنی بلند آواز کے ہیں اور اصطلاح میں اس کے معنی ہیں حرف کے ادا ہوتے وقت آواز کا ان کے مخرج میں ایسی قوت کے ساتھ ٹھہرنا کہ اس کے اثر سے سانس بند ہو جائے اور آواز بلند ہو، جیسے یَاْتِی کا ہمزہ۔ جن حرفوں میں یہ صفت پائی جائے ان کو مجہورہ کہتے ہیں۔ مہموسہ کے علاوہ باقی حروف مجہورہ ہیں۔

فائدہ : معلوم ہونا چاہیے کہ پست آواز' بلند آواز کی ، اور بلند آواز' پست آواز کی ، اور ایسے ہی سانس کا جاری رہنا' بند ہو جانے کی ، اور بند ہو جانا' جاری رہنے کی

ضد ہے۔

شِدَّت : لغت میں شدت کے معنی سختی کے آتے ہیں اور اہل فن کی اصطلاح میں شدت کے معنی ہیں حرف کے ادا ہوتے وقت آواز کا مخرج میں ایسی سختی اور قوت کے ساتھ ٹکنا کہ اس کے اثر سے خود آواز ہی بند ہو جائے، اور حرف قوی اور سخت ہو۔ جیسے مَاْکُوْل کا (ء) جن حرفوں میں یہ صفت پائی جائے ان کو شدیدہ کہتے ہیں۔ یہ آٹھ حروف ہیں: أ ، ب ، ت ، ج ، د ، ط ، ق ، ک ۔مجموعہ أجِدُ قَطٍ بَکَتٌ ہے۔

رِخْو : رِخو کے معنی نرمی کے ہیں اور اصطلاح میں اس کے معنی ہیں حرف کے ادا ہوتے وقت آواز کا مخرج میں ایسی نرمی کے ساتھ ٹھہرنا کہ اس کے اثر سے آواز جاری رہ سکے، اور حرف نرم ادا ہو، جیسے ھٰٓؤُلَآءِ میں ھا۔ جن حرفوں میں یہ صفت پائی جائے ان کو رخوہ کہیں گے۔ شدیدہ ومتوسطہ کے سوا باقی سولہ حروف رخوہ کے ہیں۔

تَوَسُّط : لغت میں اس کے معنی درمیان میں واقع ہونے کے ہیں اور اصطلاح میں اس سے مراد شدت اور رخاوت کی درمیانی حالت ہے کہ اس کے حرفوں کے ادا ہوتے وقت نہ تو حروف شدیدہ کی طرح آواز فوراً بند ہو جاتی ہے، اور نہ رخوہ کی طرح جاری ہی رہتی ہے، جیسے قُلْ کا لام۔ حروف متوسطہ پانچ ہیں: ر ، ع ، ل ، م ، ن ۔ جو لِنْ عُمَرُ میں مرکب ہیں۔

پس سختی، نرمی کی اور نرمی، سختی کی ضد ہے اور اسی طرح آواز کا بند ہو جانا اس کے جاری رہنے کی اور جاری رہنا بند ہو جانے کی ضد ہے اور حروف متوسطہ میں ان دو متضاد کیفیتوں میں سے کوئی کیفیت بھی کامل طور پر نہیں پائی جاتی بلکہ ان میں دونوں صفتوں کا کچھ کچھ اثر ہوتا ہے اس لیے ان پانچ حرفوں کو

نہ تو شدیدہ ہی کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی رخوہ بلکہ یہ ان دونوں کے درمیان ہیں
اس لیے ان کو متوسطہ کہتے ہیں، ان کا دوسرا نام بینیہ بھی ہے۔

اِسْتِعْلَاء : استعلا کے لغوی معنی بلند ہونے کے ہیں۔ اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں
کہ حرف کے ادا ہوتے وقت اقصیٰ لسان یعنی زبان کی جڑ اوپر کے تالو کی
طرف اُٹھ جائے، جس کے اثر سے یہ حروف پُر ہوں گے۔ جیسے **فِرْقَةٌ** کا
(ق)، اور **خَالِدٌ** کی (خ)۔ جن حرفوں میں یہ صفت پائی جائے ان کو مستعلیہ
کہتے ہیں۔ ایسے حروف سات ہیں: خ ، ص ، ض ، ط ، ظ ، غ
، ق ۔ جن کا مجموعہ **خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ** ہے[1]۔

اِسْتِفَال : استفال کے لغوی معنی ہیں نیچے رہنا۔ اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ
حرف کے ادا ہوتے وقت زبان کی جڑ اوپر کے تالو کی طرح نہ اُٹھے بلکہ نیچے ہی
رہے جس کے اثر سے یہ حروف خوب باریک ہوں گے۔ جیسے **کَافِرُوْن** کا
(ک) اور **تَائِبٌ** کی (ت)۔ جن حرفوں میں یہ صفت پائی جائے ان کو مستفلہ
کہتے ہیں۔ حروف مستفلہ بائیس ہیں جو مستعلیہ کے ماسوا ہیں۔

اِطْبَاق : اطباق کے معنی لغت میں اِلصاق یعنی اچھی طرح مل جانے اور ڈھانپ
لینے کے ہیں اور مجودین کی اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ حرف کے ادا ہوتے
وقت زبان کا اکثر حصہ یعنی اس کا بیچ اوپر کے تالو سے مل جائے اور اس کو

---

(۱) صفت استعلا و اطباق میں فرق یہ ہے کہ صفت استعلا میں اقصائے لسان اور اطباق میں وسط لسان کو تعلق ہے۔ اور دوسرا فرق یہ ہے کہ استعلا میں اقصائے لسان تالو کی طرف بلند ہوتا ہے لیکن تالو سے لگتا نہیں مگر صفت اطباق میں وسط لسان تالو کو ڈھک لیتا ہے اور چونکہ وسط لسان کا اقصائے لسان کے بغیر بلند ہونا ناممکن ہے اس لیے صفت اطباق کو استعلا لازم ہے اور چونکہ اقصائے لسان بجز وسط لسان کے بلند ہوسکتا ہے اس لیے استعلا کو اطباق لازم نہیں۔ ۱۲ منہ

ڈھانپ لے جس کی وجہ سے یہ حروف خوب پُر ادا ہوں گے۔ جیسے طاغُوت کی (ط) اور مِرْصَاد کا (ص)۔ جن حرفوں میں یہ صفت پائی جائے ان کو مطبقہ کہیں گے۔ ایسے حروف چار ہیں: ص ، ض ، ط ، ظ۔

اِنفتاح : انفتاح کے لغوی معنی اِفتراق یعنی جُدا اور علاحدہ رہنے کے ہیں اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ حرف کے ادا ہوتے وقت زبان کا اکثر حصہ یعنی اس کا بیچ اوپر کے تالو سے نہ ملے، بلکہ جُدا رہے جیسے فُتِحَتْ کی (ت) اور وَقْـــراً کا (ق)۔ جن حرفوں میں یہ صفت ہو ان کو منفتحہ کہیں گے۔ یہ پچیس حروف ہیں، جو مطبقہ کے علاوہ ہیں۔

اِذلاق : اذلاق لغت میں پھسلنے کو کہتے ہیں اور اہل فن کی اصطلاح میں اس کے معنی حرف کے ہونٹ یا زبان کے کنارہ سے بہ سہولت ادا ہونے کے ہیں کہ گویا وہ اپنے مخرج سے پھسلتا ہوا ادا ہو رہا ہے اور اس کے ادا ہوتے وقت کوئی گرانی محسوس نہیں ہوتی جیسے مَالِکُ اور یَعْلَم کی (م)۔ جن حرفوں میں یہ صفت پائی جائے، ان کو مُذلقہ کہیں گے۔ ایسے حروف چھ ہیں: ب ، ر ، ف ، ل ، م ، ن ۔جن کا مجموعہ فَرَّمِنْ لُبٍّ ہے۔

اِصمَات : اصمات کے لغوی معنی روکنے اور منع کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں اصمات سے مراد یہ ہے کہ حرف اپنے مخرج سے مضبوطی اور جماؤ کے ساتھ ادا ہو، گویا کہ اس کی ادائیگی میں کچھ گرانی اور رکاوٹ سی محسوس ہو جیسے کوِّرت کی (ت) اور لَمْ یَتَّخِذْ کی (ذ)۔ جن حرفوں میں یہ صفت پائی جائے، ان کو حروف مصمتہ کہیں گے۔ ایسے حروف تیئیس ہیں جو مذلقہ کے چھ حرفوں کے علاوہ ہیں۔

دوسری قسم صفات لازمہ غیر متضادہ۔ یہ سات ہیں۔

صَــفِـیْـر : صفیر کے معنی لغت میں سیٹی یا چڑیا وغیرہ کی آواز کے ہیں اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ حرف کے ادا ہوتے وقت ایک تیز آواز مثل سیٹی کے نکلے جیسے عَزِیْزٌ کی (ز) اور بِسْمِ اللّٰہِ کی (س)۔ یہ صفت ان حرفوں کے لیے کچھ ایسی لازم ہے کہ اگر یہ ادا نہ ہو تو ان حرفوں کی رونق ہی باقی نہیں رہتی اور حروف بہت ہی ناقص ادا ہوتے ہیں۔ حروف صفیر یہ تین ہیں: ز ، س ، ص۔

قَـلْـقَـلَـهٗ : قلقلہ کے لغوی معنی جنبش اور حرکت کے ہیں اور فن میں اس کے یہ معنی ہیں کہ حرف کے ادا ہوتے وقت مخرج میں کچھ جنبش سی ہو جائے جس کی وجہ سے آواز لوٹتی ہوئی نکلے۔ ایسے حروف پانچ ہیں: ب ، ج ، د ، ط ، ق جن کا مجموعہ قُطْبُ جَدٍّ ہے۔ طب جد کے مقابلے میں قاف میں قلقلہ بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے ، اور طب جد میں اس سے کچھ کم۔

اِنْـحِـرَاف : انحراف کے لغوی معنی پھرنے اور مائل ہونے کے ہیں اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ حرف کے ادا ہوتے وقت آواز کا حافہ لسان سے نوک زبان کی طرف اور نوک زبان سے پشت زبان کی طرف میلان پایا جائے، جیسے اَلْـقَـمَرُ میں را اور اَلْـغُرُوْر میں لام۔ چنانچہ [ل] میں حافہ سے نوک کی طرف اور [ر] میں نوک سے پشت کی طرف آواز لوٹ جاتی ہے اس لیے خیال نہ کرنے سے بعض دفعہ [ل] کی جگہ [ر] اور [ر] کی جگہ [ل] ادا ہو جاتا ہے، خصوصاً بچوں سے یہ غلطی زیادہ ہوتی ہے۔ حروف منحرفہ دو ہیں : ل ، ر۔

تَـكْـرِيْـر : تکریر لغت میں ایک شے کے بار بار لوٹانے کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاح میں قوتِ تکرار کو تکریر کہتے ہیں۔ دراصل تکریر دو طرح کی ہوتی ہے، ایک تکریر

حقیقی، دوسری مشابہت تکریر۔ تکریر حقیقی را کو ادا کرتے وقت ناجائز ہے، اور مشابہت تکریر را میں بہت ضروری ہے۔ را کے ادا کرتے وقت نوک زبان میں ہلکی سی لرزش پیدا کرنا۔ جیسے اَلرَّحْمٰن کی را۔ یہ صفت صرف را میں پائی جاتی ہے۔

تَفَشِّیْ : لغت میں تفشی کے معنی انتشار اور پھیلنے کے آتے ہیں۔ اور اصطلاحاً یہ معنی ہیں کہ حرف کے ادا ہوتے وقت آواز اور ہوا منھ میں پھیل جائے جیسے مَنْفُوْش کی (ش) لیکن اس بات کا خیال رہے کہ زبان اندر کو سمٹ کر اس کی نوک اُوپر کو اٹھنے نہ پائے ورنہ (ش) پُر ہو جائے گا۔ اور صحیح طریقہ اس کے ادا کرنے کا یہ ہے کہ زبان کو سیدھا رکھ کر ادا کیا جائے اس سے انشاء اللہ شین خود بخود صحیح ادا ہو جائے گا۔ یہ صفت صرف شین میں پائی جاتی ہے۔

اِسْتِطَالَتْ : استطالت کے لغوی معنی درازی چاہنے کے ہیں اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ ضاد معجمہ کو ادا کرتے وقت شروع مخرج سے آخر مخرج تک آواز بتدریج نکلنی چاہیے یعنی ناجذ مع کنارۂ زبان سے آواز شروع ہو کر تدریجاً ضواحک تک اس طرح پہنچے کہ آواز میں درازی سی ہو، اور (ظ) کی آواز کی طرح دفعۃً نہ نکلے اس لیے استطالت ہی ایک ایسی صفت ہے جو ضاد وظا میں ممیز ہے اور باقی صفات میں یہ دونوں شریک ہیں۔ یہ صفت حرف ضاد میں پائی جاتی ہے۔

لِیْن : لین کے معنی نرمی کے ہیں، اور اصطلاح میں واوٗ ساکن اور یا ساکن کو اپنے مخرج سے نرم ادا کرنا لین ہے۔ جن حرفوں میں یہ صفت پائی جائے ان کو لینیہ کہتے ہیں۔ ایسے دو حرف ہیں یعنی واوٗ اور یا ساکن ماقبل زبر۔ ان دونوں کو اس طرح نرم ادا کیا جائے کہ مد ہو سکے۔ جیسے خَیْر کی یا اور خَوْف کی واوٗ۔

حروف کی صفات لازمہ کا جدول

شمار	حروف	اسمائے صفات	شمار	حروف	اسمائے صفات
۱	ا	جہر، رخاوت، استفال، انفتاح، اصمات، مد، تفخیم یا ترقیق	۲	ب	جہر، شدت، استفال، انفتاح، اذلاق، قلقلہ
۳	ت	ہمس، شدت، استفال، انفتاح، اصمات	۴	ث	ہمس، رخاوت، استفال، انفتاح، اصمات
۵	ج	جہر، شدت، استفال، انفتاح، اصمات، قلقلہ	۶	ح	ہمس، رخاوت، استفال، انفتاح، اصمات
۷	خ	ہمس، رخاوت، استعلا، انفتاح، اصمات	۸	د	جہر، شدت، استفال، انفتاح، اصمات، قلقلہ
۹	ذ	جہر، رخاوت، استفال، انفتاح، اصمات	۱۰	ر	جہر، توسط، استفال، انفتاح، اذلاق، تکریر، انحراف
۱۱	ز	جہر، رخاوت، استفال، انفتاح، اصمات، صفیر	۱۲	س	ہمس، رخاوت، استفال، انفتاح، اصمات، صفیر
۱۳	ش	ہمس، رخاوت، استفال، انفتاح، اصمات، تفشی	۱۴	ص	ہمس، رخاوت، استعلا، اطباق، اصمات، صفیر

۱۵	ض	جہر،رخاوت،استعلا،اطباق ، اصمات،استطالت	۱۶	ط	جہر ، شدت ، استعلا ، اطباق، اصمات، قلقلہ
۱۷	ظ	جہر ، رخاوت ، استعلا ، اطباق، اصمات	۱۸	ع	جہر ، توسط ، استفال ، انفتاح، اصمات
۱۹	غ	جہر ، رخاوت ، استعلا ، انفتاح،اصمات	۲۰	ف	ہمس ، رخاوت، استفال، انفتاح،اذلاق
۲۱	ق	جہر ، شدت ، استعلا، انفتاح،اصمات،قلقلہ	۲۲	ک	ہمس ،شدت ، استفال ، انفتاح،اصمات
۲۳	ل	جہر ، توسط ، استفال ، انفتاح، اذلاق،انحراف	۲۴	م	جہر ، توسط ، استفال ، انفتاح، اذلاق
۲۵	ن	جہر ، توسط ، استفال ، انفتاح، اذلاق	۲۶	و	جہر ، رخاوت ، استفال ، انفتاح، اصمات
۲۷	ھ	ہمس ،رخاوت،استفال، انفتاح،اصمات	۲۸	ء	جہر ، شدت ، استفال ، انفتاح،اصمات
۲۹	ی	جہر ، رخاوت ، استفال ، انفتاح، اصمات			

ماخوذاز:علم تجوید

صفات عارضہ اور اس کی قسمیں

صفات عارضہ حرفوں کی وہ صفات ہیں جو کسی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں یعنی کبھی پائی جائیں اور کبھی نہ پائی جائیں اوران کو عارضہ کہنے کی وجہ بھی یہی ہے۔اس لیے عارض اسی شے کو کہتے ہیں جو کبھی ہو اور کبھی نہ ہو۔ یہ بعض بعض حرفوں میں پائی جاتی ہیں، تمام حرفوں میں نہیں۔ جن حرفوں میں یہ پائی جائیں، اگر وہ ادا نہ ہوں تو ان کی تحسین میں کمی واقع ہوگی۔ جیسے رامفتوحہ کو پُر کی بجائے باریک پڑھنا یا اسم جلالت مفخم کو مرقق یا اس کا عکس کرنا۔صفات عارضہ گیارہ ہیں جو مختلف حالتوں میں مختلف حروف میں پائی جاتی ہیں، اور یہ آٹھ حروف ہیں جن کا مجموعہ او یرملان ہے۔

صفات عارضہ یہ ہیں:

(۱) ترقیق: باریک پڑھنا۔

(۲) تفخیم: پُر یعنی منہ بھر کے پڑھنا۔

(۳) ابدال: بدلنا

(۴) تسہیل: تحقیق اور ابدال کی درمیانی حالت۔

(۵) مدہ: حرف کو بڑھا کر پڑھنا۔

(۶) امالہ: فتحہ کو کسرہ اور الف کو یا کی طرف مائل کرنا۔

(۷) ادغام: ملا دینا۔

(۸) قلب: بدلنا۔

(۹) اخفا: پوشیدہ کرنا یعنی بین الاظہار والادغام پڑھنا۔

(۱۰) ادغام شفوی: میم کو میم میں مدغم کرنا۔

(۱۱) اخفائے شفوی: میم کے بعد با ہو تو میم کو پوشیدہ کر کے پڑھنا۔

صفات عارضہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) عارض بالصفت (۲) عارض بالحرف

عارض بالصفت: جو صفت کسی صفت لازمہ کی وجہ سے پائی جائے۔ جیسے صفت استعلا کی وجہ سے حرف کی تفخیم (پُر ہونا)، اور صفت استفال کی وجہ سے باریک ہونا۔

تفخیم[1] دو طرح کی ہوتی ہے: (۱) تفخیم مستقل (۲) تفخیم غیر مستقل

تفخیم غیر مستقل، یہ چار حرفوں یعنی الف ، واؤمدہ ، لامِ اللہ اور را میں ہوتی ہے۔ ہر ایک کا بیان آگے آرہا ہے۔

الف[2] جس طرح اپنے کے اعتبار سے کسی نہ کسی حرف کا محتاج ہوتا ہے، اسی طرح

---

(۱) **حروف مُفَخَّمَہ میں بلحاظ تفخیم مراتب:** حروف مفخمہ میں تفخیم کے اعتبار سے مراتب ہیں چنانچہ سب سے زیادہ پُر اسم جلالت کا لام ہوتا ہے، اس سے کم طا۔ پھر صاد، ضاد۔ پھر ظا۔ پھر قاف۔ پھر غین وخا اور پھر را۔ اور جب حروفِ مفخمہ میں مراتب ہیں تو لازماً ان کے بعد والے الف کی تفخیم میں بھی مراتب ہوں گے، کیوں کہ الف میں تفخیم حرف ماقبل کی وجہ سے ہی ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں خود تفخیم میں بھی مراتب ہیں، چنانچہ وہ حرف مفخم جس کے بعد الف ہو سب سے زیادہ پُر پڑھا جاتا ہے، جیسے طَائَ۔ پھر اس سے کم وہ مفتوح جس کے بعد الف نہ ہو جیسے اِنْ طَلِقُوا۔ پھر مضموم جیسے مُحِیْطٌ۔ پھر مکسور جیسے ظِلَّ۔ رہا ساکن مفخم سو وہ ماقبل کی حرکت کے تابع ہے جیسے یَقْطَعُوْن ، یُرْزَقُوْن . اور مِرْصَاداً وغیرہ۔ پس ایک قاریٔ قرآن کو چاہیے کہ اپنی ادا میں تفخیم کے ان مراتب کا لحاظ رکھے۔ ۱۲ منہ

(۲) الف کو تفخیم وترقیق میں ماقبل کے تابع اس لیے کیا گیا ہے کہ اس میں کسی عضو کا عمل نہیں ہوتا ہے، کیوں کہ اس کا مخرج مقدر یعنی خلائے دہن ہے، لہٰذا اس کو تفخیم یا ترقیق سے موصوف نہیں کیا گیا بلکہ ماقبل کے تابع کر دیا گیا۔ رہی یہ بات کہ باقی حروفِ مدہ یعنی واؤ یا کو ماقبل کے تابع کیوں نہیں کیا گیا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یا میں انخفاض فم وصوت ہے جو تفخیم کے منافی ہے۔ اور واؤ کے متعلق بھی اکثر قراء کا فیصلہ یہی ہے کہ یہ بھی ترقیق و تفخیم میں اپنے ماقبل کے تابع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۲ منہ

صفت کے اعتبار سے بھی حرف ماقبل کا تابع ہوتا ہے۔ لہٰذا الف سے پہلے کوئی پُر حرف ہوتو یہ پُر ہوگا، ورنہ باریک۔ جیسے قَالَ اور کَانَ میں الف۔

واوٗ مدہ: یہ بھی مثل الف ماقبل کا تابع ہے اور پُر ہوگا جب کہ ماقبل کوئی پُر حرف ہو ورنہ باریک ہوگا۔ جیسے وَالطُّوْرِ اور نُوْرٌ میں واوٗ۔

تنبیہ: الف اور واوٗ مدہ کے ماقبل تفخیم غیر مستقل کی حالت میں بھی دونوں پر ہوں گے۔ جیسے تَرٰیٓءَ میں الف اور قُرُوْءٍ میں واوٗ۔ نیز حرفِ مفخم کے بعد الف عارضی ہو مثل وِفَاقًا تو بھی الف پُر ہوگا۔

لام اسم جلالت: اسم جلالت کے لام سے پہلے زبر یا پیش ہوتو لفظ اللہ[1] کے دونوں لام پُر ہوں گے، جیسے هُوَ اللّٰهُ ، رَسُوْلُ اللّٰهِ اور قَالُوا اللّٰهُمَّ وغیرہ۔ اور اگر اسم جلالت کے لام سے پہلے زیر ہوتو باریک ہوں گے، جیسے بِسْمِ اللّٰهِ اور لِلّٰهِ وغیرہ کا لام۔

روایت امام حفص علیہ الرحمہ میں اسم جلالت کے سوا باقی لام ہر حال میں باریک پڑھے جاتے ہیں جیسے مَا وَلّٰهُمْ اور يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ اور اَلَّا تَخَافُوْا وغیرہ۔

را: یہ اکثر حالتوں میں پُر پڑھی جاتی ہے اس لیے اکثر حالتوں کی بنا پر جمہور کے نزدیک را مرققہ حرف فرعی ہے اور را مفخمہ حرف اصلی ہے، مگر یہاں اس اختلاف کو بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ را کی ترقیق کے متعلق کچھ گفتگو کرنا ہے، اسے بطور قواعد ذکر کیا جاتا ہے۔

---

(۱) لام میں اگرچہ صفت استفال لازم ہے مگر اس کے تفخیم عارض ہونے کا باعث اسم الجلالہ کی عظمت کا اظہار ہے اسی لیے اور کسی لام میں تفخیم نہیں ہوتی بجز لفظ اللہ کے۔ رہی یہ بات کہ جب لام کے ماقبل کسرہ ہوتو پھر بھی لفظ اللہ کی عظمت تو اسی طرح برقرار رہتی ہے، اس حالت میں اسے باریک کیوں پڑھا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں تفخیم اصلی و مستقل تو ہے نہیں کہ ہر حالت میں پائی جائے بلکہ عارضی اور غیر مستقل ہے اور کسرہ چونکہ انخفاض فم وصوت سے ادا ہوتا ہے جو تفخیم کے منافی ہے اس لیے اس حالت میں لام کو مفخم نہیں کیا جاتا۔ ۱۲ منہ

را کی تَرقیق :

(۱) رامکسور ہمیشہ باریک ہوگی۔ جیسے شَرِبَ وغیرہ۔

(۲) راساکن ماقبل کسرۂ اصلی ایک ہی کلمہ میں ہو اور اس کے بعد پُر حرف اسی کلمہ میں نہ ہو تو باریک ہوگی، جیسے شِرْعَة وغیرہ۔

(۳) راساکن ماقبل یاساکن ہو تو باریک ہوگی۔ جیسے خَیْر [۱]، خَبِیْر وغیرہ۔

(۴) راساکن سے پہلے کوئی ساکن حرف ہو اور اس سے پہلے کسرہ آجائے، تو را باریک ہوگی۔ جیسے ذِکْر، فِکْر، حِجْر وغیرہ کی را۔

(۵) راساکن کے ماقبل کسرۂ اصلی ہو اور اس کے بعد کوئی پُر حرف دوسرے کلمہ میں ہو تو را باریک ہوگی۔ جیسے وَاصْبِرْ صَبْرًا وغیرہ۔

(۶) رامرامہ [۲] مکسور باریک ہوگی۔ جیسے وَالْوَتْرِ وغیرہ۔

(۷) راممالہ بھی باریک ہوگی [۳]۔ جیسے مَجْرٖیهَا۔

فائدہ : رامشددہ متحرکہ وصلاً رامتحرکہ کے حکم میں ہے۔ اور وقفاً راساکنہ کے حکم میں۔ اور رامرامہ موقوفہ بالروم وصل کے حکم ہے۔

را کی تفخِیم :

(۱) رامتحرک ہوگی یاساکن، اگر رامتحرک ہو تو زبر پیش کی حالت میں پُر ہوگی اور

---

(۱) خیر کی را بظاہر تفخیم چاہتی ہے مگر وجہ ترقیق یہ ہے کہ راساکن کے ماقبل یاساکن واقع ہوئی اور یا چونکہ دو کسروں کے قائم مقام ہوتی ہے، تو جب را سے پہلے ایک کسرہ آنے کی صورت میں اسے باریک پڑھا جاتا ہے تو دو کسروں کی صورت میں تو بدرجۂ اولیٰ اسے باریک پڑھا جائے گا۔ لہٰذا ایسی صورت میں یاساکن سے پہلے کی حرکت کا اعتبار نہ ہوگا۔ ۱۲ منہ

(۲) رامرامہ اس را کو کہتے ہیں جس پر وقف بالروم کیا گیا ہو۔ اور رامرامہ مضموم ہو تو را پُر ہوگی۔

(۳) اِمالہ کی صورت میں را کو باریک پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ را کی تفخیم کا سبب یعنی فتحہ خالص نہیں رہا، کسرہ کی طرف مائل ہوگیا ہے اور امالہ ویسے بھی مقتضی ترقیق ہے۔ ۱۲ منہ

اگر ساکن ہوتو بھی اپنے ماقبل زبر پیش کی حالت میں پر ہوگی جیسے رَشَدًا اور رُشْدًا، اَرْسَلْنَا، اور اُرْکُضْ وغیرہ۔

(۲) را مشدد ہ پر زبر، پیش ہو تو پر ہوگی جیسے لٰکِنَّ الْبِرَّ وَ لَیْسَ الْبِرُّ وغیرہ۔

(۳) راساکن ماقبل کسرۂ عارضی ہو تو پر ہوگی۔ جیسے اِرْجِعِی [1] وغیرہ۔

(۴) راساکنہ کے ماقبل کسرۂ منفصلہ ہو تو بھی را پر ہوگی۔ جیسے اَمِ ارْتَابُوْا وغیرہ۔

(۵) راساکنہ ماقبل مکسور اور مابعد را کے حروف مستعلیہ میں سے کوئی حرف اسی کلمہ میں ہو تو را پر ہوگی جیسے لَبِالْمِرْصَاد وغیرہ۔

فِرْقٍ [2] کی را میں خُلف ہے۔

جب را موقوفہ کے ماقبل کوئی حرف مستعلیہ ساکن ہو اور اس کے ماقبل کسرہ ہو جیسے مِصْرًا اور عَیْنَ الْقِطْر تو اس کی حرکت اصلیہ قبل از وقف کا اعتبار کریں گے، پس مِصْراً کی را مفتوحہ کو پر اور عَیْنَ الْقِطْر کی را کو بہ لحاظ کسرہ باریک پڑھنا اولیٰ ہے۔

راساکنہ ماقبل مکسور اس کے بعد پر حرف مکسور ہو جیسے فِرْقٍ یہاں بھی را کو پر پڑھنا اولیٰ ہے۔

---

(۱) یہاں پر یہ وہم ہوسکتا ہے کہ کسرہ خواہ اصلی ہو یا عارضی وہ کسرہ ہی ہے اور کسرہ کے اندر انخفاضِ صوت ہوتا ہے، جو تفخیم کے منافی ہے، پھر کسرۂ عارضی کی صورت میں راساکنہ باریک کیوں نہیں ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل را میں تفخیم کو اصل قرار دیا گیا ہے اور کسی بھی چیز کو اس کی اصلیت سے پھیرنے اور ہٹانے کے لیے اسی قدر قوی سبب درکار ہوتا ہے اور کسرہ عارضی میں اصلی نہ ہونے کی وجہ سے وہ قوت نہیں اس وجہ سے یہ کسرہ باوجود کسرہ ہونے کے برا کو باریک نہیں کرسکتا ہے۔ ۱۲ منہ

(۲) یعنی فرق کی را کو پر اور باریک پڑھے جانے میں خلف ہے۔ پر پڑھنے کی وجہ تو ظاہر ہے مگر باریک اس وجہ سے پڑھیں گے کہ صرف ایک کسرہ ہی موجب ترقیق ہوتا ہے، اور یہاں تو معاملہ بین الکسرتین کا ہے۔ دوسری بات یہ کہ یہاں حرف مستعلیہ مکسور ہونے کی وجہ سے خود قاف کا استعلا ضعیف ہوگیا ہے، یہی وجہ ہے کہ فرقۃ اور فرق کے حکم میں فرق ہوگیا ہے۔ قاف پر وقف کردینے کی صورت میں بھی تفخیم وترقیق دونوں روایت سے ثابت ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ کسرہ لازمی ہے اور وقف عارضی، مگر پُر پڑھنا بہتر ہے۔ ۱۲ منہ

وَ الَّیۡلِ اِذَا یَسۡرِ کی راجو سورۂ فجر میں ہے اس میں بھی اختلاف ہے، مگر جمہور نے پُر پڑھنا اولیٰ قرار دیا ہے کیوں کہ اصل میں یہ لفظ اِذَا یَسۡرِیۡ تھا یہاں سے یا محذوف ہے۔

فائدہ : تفخیم (یعنی منہ بھر کر) اور ترقیق باریک پڑھنے کو کہتے ہیں۔

فائدہ : را میں تفخیم اصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ترقیق کے مقابلہ میں تفخیم کا عروض زیادہ ہے یعنی را میں صفتِ ذاتی کے اعتبار سے تفخیم اصل نہیں بلکہ صفت عارضی کے اعتبار سے مقابلۂ ترقیق کے تفخیم اصل ہے اس کی وجہ کثیر الاحوال میں را کا پر ہونا ہے۔ واللہ أعلم۔

رائے ساکنہ سے پہلے زیر عارضی کا جدول

شمار	الفاظ	پارہ	آیت	سورہ
۱	اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ	۷	۱۰۶	مائدہ
۲	اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ	۲۸	۴	طلاق
۳	اِرۡجِعُوۡا	۱۳	۸۱	یوسف
۴	اِرۡجِعۡ	۱۹	۳۷	نمل
۵	اِرۡجِعِیۡ	۳۰	۲۸	فجر
۶	اِرۡحَمۡهُمَا	۱۵	۲۴	بنی اسرائیل
۷	اِرۡجِعُوۡنَ	۱۸	۹۹	مومنون

۸	اَمِ ارۡتَابُوۡا	۱۸	۵۰	نور
۹	اِرۡتَضٰی	۱۸	۵۵	نور
۱۰	لِمَنِ ارۡتَضٰی	۱۷	۲۸	انبیاء
۱۱	مَنِ ارۡتَضٰی	۲۹	۲۷	جن
۱۲	اِرۡکَبۡ مَّعَنَا	۱۲	۴۲	ہود

صفات عارضہ کی دوسری قسم عارض بالحرف

جو صفات عارضہ کسی حرف کے ملنے سے پیدا ہوتی ہیں، ان کو عارض بالحرف کہتے ہیں۔ عارض بالحرف کی دو قسمیں ہیں :

(۱) عارض بالوصل (۲) عارض بالوقف

اول عارض بالوصل: یہ موقوف علی الوصل ہیں۔ یہ دو طرح پر واقع ہوں گی ایک فی کلمۃ جیسے مدمتصل وغیرہ، دوسرے فی کلمتین جیسے مدمنفصل وغیرہ۔ پہلی قسم یعنی فی کلمۃ یہ وقف و وصل دونوں حالتوں میں پائی جائیں گی۔ دوسری قسم یعنی فی کلمتین یہ صرف وصل میں واقع ہوں گی، وقف میں ادا نہ ہوں گی بلکہ وقف کی صورت میں وہ حرف اپنی صفت اصلی سے ادا ہوگا۔

دوم عارض بالوقف: جو صرف وقف ہی میں پائی جائے جیسے اسکان، اشمام، روم وغیرہ۔ اس لیے کہ یہ صفات موقوف علی الوقف ہیں۔ ان کا تفصیلی بیان وقف کی بحث میں ہوگا۔

عارض بالحرف کی صورتیں

عارض بالحرف کی چند صورتیں یہ ہیں: (۱) مد (۲) ادغام (۳) اخفاء (۴) اقلاب (۵) تسہیل (۶) اشمام (۷) روم (۸) صورتِ نقل (۹) سکون (۱۰) حرکات۔ ہر ایک کو مفصل بیان کیا جا رہا ہے۔

عارض بالحرف کی پہلی قسم 'مَد'

مد لغت میں دراز کرنے اور کھینچنے کو کہتے ہیں، اور اصطلاح میں مد کی تعریف یوں کی گئی ہے: اطالة الصوت بحرف من حروف المد او اللین حروف مدہ اور حروف لین پر آواز دراز کرنا۔ پس اگر کسی اور حرف میں آواز دراز کی جائے گی تو اس پر مد کا اطلاق نہ ہوگا۔

فائدہ : آپ شروع میں پڑھ آئے ہیں کہ حروف مدہ تین ہیں: (۱) الف: یہ ہمیشہ مدہ ہی ہوتا ہے۔ (۲) واؤ ساکن: جب کہ اس سے پہلے پیش ہو۔ (۳) یاے ساکن: جب کہ اس سے پہلے زیر ہو جیسے اُوْتِیْنَا اور اُوْذِیْنَا وغیرہ ان دونوں کلموں میں مد کے تینوں حرفوں کی مثالیں جمع ہیں۔ اور کھڑا زبر، کھڑی زیر اور اُلٹا پیش یہ تینوں بھی حروف مدہ کی آواز دیتے ہیں، اس لیے انھیں حروف مدہ کے قائم مقام مانا گیا ہے — حروف لین دو ہیں: (۱) واؤ ساکن ماقبل مفتوح (۲) یا ساکن ماقبل مفتوح جیسے مِنْ خَوْف اور وَ الصَّیْف وغیرہ۔

مد کے متعلق سات باتوں کا جاننا ضروری ہے۔

محل مد ، سبب مد ، اقسام مد ، احکام مد ، کیفیت مد ، وجوہِ مد ، مقدار مد۔

(۱) **محلِّ مَدّ** : یہ دو ہیں: حروف مدہ اور حروف لین۔

(۲) **سبب مد** : یہ بھی دو ہیں: سکون اور ہمزہ۔

(۳) **اقسام مد** : یہ چھ ہیں: مد متصل ، مد منفصل ، مد لازم ، مد عارض ، مد لین لازم ، مد لین عارض۔

(٤) **احکام مد** : یہ تین ہیں: لازم ، واجب ، جائز۔

(۵) **کیفیت مد** : یہ دو ہیں: توسط ، طول۔

(٦) **وجوہ مد** : یہ تین ہیں: طول ، توسط ،قصر

(۷) **مقدار مد** : یہ پانچ ہیں: دو الف ، ڈھائی الف ، تین الف ، چار الف ، پانچ الف۔

مد کی اولاً دو قسمیں ہیں : (۱) اصلی (۲) فرعی۔

مد اصلی : وہ مد ہے جو کسی سبب پر موقوف نہ ہو اور اس کے ادا ہوئے بغیر حرف کی ذات ہی باقی نہ رہے جیسے قال، قیل، اور قولوا کا مد۔ کیوں کہ اگر ان میں مد نہ کیا جائے تو الف، واوٗ اور یا کی ذات ہی فوت ہو جائے گی اور اب صرف حرکتیں ہی رہ جائیں گی، نیز یہ کہ ان مثالوں میں مد کا کوئی سبب بھی موجود نہیں ہے اور اس کا ترک شرعاً حرام ہے کیوں کہ اس سے قرآن مجید کا ایک حرف کم ہو جاتا ہے۔ اس کو مد ذاتی اور مد طبعی بھی کہتے ہیں۔

مد فرعی : وہ مد ہے جس کا پایا جانا کسی سبب پر موقوف ہو اور اس کے ادا ہونے سے حرف کی ذات معدوم نہیں ہوتی، البتہ قواعد عرفیہ تجویدیہ کا خلاف لازم آتا ہے اور حرفوں کی خوبصورتی جاتی رہتی ہے، جیسے مِنَ السَّمَآءِ، سوٓءٍ، سِيِّئَتٍ، انآ اَنْزَلْنَاہ ، قَالُوٓا اِنَّمَا ، الَّذِیٓ آمَنَ ، آٰلْئٰنَ ، دَآبَّةٌ ، الٓمّٓ ، حٰمٓ

، قٓ ، نٓ وغیرہ کا مد۔ کیوں کہ ان کلمات میں اگر مد فرعی ادا نہ کیا جائے تو حرف کی ذات معدوم نہیں ہوگی البتہ وہ حسن اور خوبصورتی جو مد کرنے کی صورت میں پیدا ہو سکتی تھی، ترک مد کی صورت میں فوت ہو جائے گی اور اس کا ترک اگرچہ حرام تو نہیں مگر موجب گناہ اور مکروہ ضرور ہے۔ اس کو مد زائد بھی کہتے ہیں۔

مد متصل : حرف مد کے بعد ہمزہ ایک ہی کلمہ میں واقع ہو جیسے جَآءَ ، سُوْٓءَ ، سِیْٓءَ وغیرہ تو ایسے مد کو مد متصل کہیں گے۔ اس میں صرف توسط ہے اور اس توسط کی مقدار چار الف، ڈھائی الف، دو الف ہے۔

مد منفصل : حرف مد کے بعد ہمزہ دوسرے کلمہ میں ہو تو اس کو مد منفصل کہیں گے جیسے وَمَآ اُنْزِلَ ، تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ ، اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ وغیرہ۔ اس میں بھی صرف توسط ہے اور توسط کی وہ مقداریں جائز ہیں جو مد متصل میں ہیں۔

مد لازم : حرف مد کے بعد سکون اصلی ہو تو ایسے مد کو مد لازم کہتے ہیں۔ جیسے دَآبَّةٌ وغیرہ۔ اس میں صرف طول ہے، اور طول کی مقدار تین یا پانچ الف ہے۔

مد عارض : حرف مد کے بعد سکون عارضی ہو تو ایسے مد کو مد عارض کہتے ہیں جیسے تَعْلَمُوْنَ وغیرہ۔ اس مد میں قصر، توسط، طول تینوں وجہیں جائز ہیں لیکن طول اولیٰ ہے[1]۔

---

(۱) مد عارض میں طول اولیٰ، قصر ضعیف، اور مد لین عارض میں قصر اولیٰ، طول ضعیف۔ اور طول کے ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مد عارض میں محل مد حروف مدہ۔ اور لین عارض میں حروف لین ہیں۔ اور چوں کہ حروف مدہ میں مد اصل اور قوی ہے اس لیے پہلے مد کے اعلیٰ درجہ یعنی طول کو اولیٰ قرار دیا گیا ہے، پھر توسط اور پھر قصر کو۔ اور مد لین عارض میں محل مد حروف لین ہیں جن میں مشابہت مدہ کی وجہ سے مد ہوتا ہے اصل کی وجہ سے نہیں، اس لیے قصر اولیٰ ہے، پھر توسط اور پھر طول۔ ۱۲ منہ

مد لین لازم : حرف لین کے بعد سکون لازم ہوتو اس کو مد لین لازم کہتے ہیں جیسے عَیۡنۡ سورۂ مریم اور سورۂ شوریٰ میں۔

مد لین عارض : حرف لین کے بعد سکونِ عارض ہوتو اس کو مد لین عارض کہیں گے جیسے مِنۡ خَوۡف ، وَ الصَّیۡف وغیرہ۔

ان دونوں مدوں میں قصر، توسط، طول تینوں وجہیں جائز ہیں لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ مد لین لازم میں طول اولیٰ ہے اور قصر ضعیف ہے۔ اور مد لین عارض میں قصر اولیٰ ہے طول ضعیف۔

فائدہ : حرف مد کے بعد ہمزہ بوجہ وقف ساکن ہو جائے تو ایسے مد کو مد متصل وقفی کہتے ہیں۔ جیسے یَشَــاءُ وغیرہ۔ اس میں ہمزہ پر سکون کی وجہ سے طول و توسط دونوں جائز ہیں اور قصر اس وجہ سے جائز نہیں کہ مد متصل کا توسط ادا نہ ہوگا۔ اور یہاں عارض کے توسط سے مد متصل کا توسط ادا کرنا بہتر ہے۔ اسی طرح مد لازم پر وقف ہو مثل وَلاَ جَـآنّ اور صَـوَآف وغیرہ تو اس کو مد لازم وقفی کہیں گے اس میں بھی صرف طول ہی ہوگا توسط اور قصر اس وجہ سے جائز نہیں کہ مد لازم کا طول ادا نہ ہوگا، اور ضعیف کو قوی پر ترجیح لازم آئے گی۔

فائدہ: وجوہِ جائزہ جو کل قرا سے بالاتفاق ثابت اور مقرو ہیں ان سب کا تلاوت میں جمع کرنا یا مقدار میں خلط کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح مد متصل اور مد لازم اور مد منفصل کی مقدار میں کہیں کمی یا بیشی کرنا جائز نہیں، اور نہ خلاف مساوات جائز ہے، جب کہ ایک ہی قسم کے مد ہوں اور اگر مختلف قسم کے مد ہوں تو ضعیف کو قوی پر ترجیح نہ ہونے پائے۔

احکام مدّ یہ تین ہیں : (۱) لازم (۲) واجب (۳) جائز۔

تنبیہ : مذکورہ بالا مدوں کے احکام یہ ہیں کہ مد لازم میں لازم ، مد متصل میں واجب اور بقیہ مدود میں مد کرنا جائز ہے۔

مد فرعی کے تمام اقسام میں قوت وضعف کے اعتبار سے فرق

مدوں کے درمیان قوت وضعف کے اعتبار سے فرق معلوم کرنے کے لیے اولاً یہ تمہید ذہن نشیں کرلیں ـــــ مدفرعی کے لیے محل مد اور سبب مد دونوں کا وجود ضروری ہے جیسا کہ ماسبق میں معلوم ہو چکا۔ محل مد دو ہیں: ایک حروف مدہ، دوسرے حروف لین۔ اس میں حروف مدہ قوی اور حروف لین ضعیف ہیں۔ اور سبب مد بھی دو ہیں: سکون اور ہمزہ۔ ان میں سکون قوی اور ہمزہ ضعیف ہے۔ پھر سکون دو طرح کا ہوتا ہے: لازمی اور عارضی۔ لازمی' قوی اور عارضی' ضعیف ہے۔ اسی طرح ہمزہ بھی کبھی حرف مدہ کے متصل یعنی اسی کلمہ میں ہوتا ہے اور کبھی منفصل یعنی دوسرے کلمہ میں ہوتا ہے، ان میں ہمزۂ متصلہ' قوی اور ہمزۂ منفصلہ' ضعیف ہے۔ اس تمہید کو سمجھنے کے بعد مدات میں قوی اور ضعیف مدوں کو پہچاننا بالکل آسان ہے۔ پس سب سے قوی مدوہ ہوگا جس میں محل مد اور سبب مد دونوں قوی ہوں اور یہ **مـــــد لازم** کی چاروں قسموں میں ہوگا کیوں کہ ان میں محل مد حروف مدہ ہوتے ہیں جو قوی ہیں اور سبب مد سکون لازمی ہوتا ہے جو سب سے قوی ہے۔ اس کے بعد **مد متصل** کا درجہ ہے کیوں کہ اس میں محل مد قوی اور سبب مد ہمزہ ہے جو سکون سے ضعیف ہے، اس لیے مد لازم سے مد متصل ضعیف ہے۔ (یہاں قارئین کو یہ وہم ہوسکتا ہے کہ مد عارض میں بھی محل مد قوی اور سبب مد سکون ہے، جو ہمزہ سے قوی ہے، لہٰذا مد منفصل سے مد عارض قوی ہونا چاہیے۔ تو اس وہم کا جواب یہ ہے کہ ہمزہ مطلقاً سکون سے ضعیف نہیں بلکہ سکون لازمی سے ضعیف ہے اور مد عارض میں سبب مد سکون عارضی ہے لہٰذا ہمزہ

متصلاس سے قوی سبب ہوگا۔)---اس کے بعد **مد لین لازم** اوراس کے بعد **مد عارض وقفی** اوراس کے بعد **مد منفصل** ۔مد عارض کے مد منفصل سے قوی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح سکونِ لازمی ہمزۂ متصلہ سے قوی ہے اسی طرح سکون عارضی ہمزۂ منفصلہ سے قوی ہے، اور مد عارض کا سبب مد منفصل سے قوی ہے اور محل مد دونوں کا برابر ہے، لہٰذا مد عارض، مد منفصل سے قوی ہوگا اور سب سے ضعیف **مد لین عارض** ہے کیوں کہ اس میں سبب مد اور محل مد دونوں ضعیف ہیں اس کے علاوہ اور کوئی بھی مد ایسا نہیں جس میں دونوں ضعیف ہوں۔ **واللہ أعلم** (ملخص از: لمعات شمسیہ ۱۱۶، ۱۱۷)

تنبیہ : مد عارض، مدلین لازم، اور مدلین عارض' ان تینوں مدوں میں طول، توسط، قصر تینوں وجہیں جائز ہیں۔طول کی مقدار بہر صورت تین یا پانچ الف ہے، لیکن تینوں کے توسط کی مقدار دو الف ہے، جب کہ مد لازم میں طول کی مقدار تین الف ہے، اور ان تینوں کے توسط کی مقدار تین الف اس وقت ہوگی جب کہ طول میں پانچ الف مد کیا جائے۔

فائدہ : مد لازم کی چار قسمیں ہیں :

(۱) مد لازم کلمی مثقل (۲) مد لازم کلمی مخفف (۳) مد لازم حرفی مثقل (۴) مد لازم حرفی مخفف۔

(۱) **مد لازم کَلمی مُثقّل** اس کو کہتے ہیں کہ حرف مد کے بعد کلمہ میں سکون لازمی بالتشدید ہو جیسے اَلْحَآقَّۃُ وغیرہ۔

(۲) **مد لازم کلمی مُخَفَّف** اس کو کہتے ہیں کہ حرف مد کے بعد کلمہ میں سکون لازم بالتخفیف ہو جیسے ءٰآلْـٰٔنَ یہ صرف دو جگہ سورۂ یونس میں آیا ہے۔

(۳) **مد لازم حَرفی مُثقَّل** اس کو کہتے ہیں کہ حرف مد کے بعد حروف مقطعات میں سکون لازم بالتشدید ہو جیسے الٓمٓ میں لام پر۔

(۴) **مد لازم حرفی مخفّف** اس کو کہتے ہیں کہ حرف مد کے بعد حروف مقطعات میں سکون لازم بالتخفیف ہو جیسے نٓ ، صٓ وغیرہ۔

عارض بالحرف کی دوسری قسم 'ادغام'

ادغام کے لغوی معنیٰ 'ادخال الشی فی الشی' یعنی ایک چیز کو دوسری چیز میں داخل کر دینا' ہے۔اور اصطلاح میں ادغام کی تعریف ان لفظوں میں بیان کی جاتی ہے : **خلط حرف ساکن بمتحرک بحیث یصیران حرفاً واحداً مشدّدا و یرتفع اللسان عند ادائهما ارتفاعةً واحدةً** . یعنی حرف ساکن کو حرف متحرک میں اس طرح ملا دینا کہ وہ دونوں مل کر ایک مشدد حرف ہو جائیں اور دونوں کی ادائیگی کے وقت عضو ایک ہی بار کام کرے، یعنی دونوں ایک ہی مخرج سے بلا فصل ادا ہوں۔

پہلے ساکن حرف کو ''مدغم'' اور دوسرے متحرک حرف کو ''مدغم فیہ'' کہتے ہیں۔

ادغام کے متعلق محل ادغام ، کیفیت ادغام ، شرط ادغام ، علت ادغام ، اور قواعد ادغام کا جاننا ضروری ہے۔

اول محل ادغام یہ تین ہیں: (۱) مثلین (۲) متجانسین (۳) متقاربین

مثلین : مدغم اور مدغم فیہ ایک ہی حرف ہوں جیسے قُلْ لَّکُمْ وغیرہ۔

متجانسین : مدغم اور مدغم فیہ ایک مخرج کے دو حرف ہوں جیسے اِذْ ظَّلَمُوْا وغیرہ

متقاربین : مدغم اور مدغم فیہ نہ مثلین ہوں نہ ہی متجانسین جیسے قُلْ رَّبُّکُمْ وغیرہ

دوم کیفیت ادغام یہ دو ہیں: (١) ادغام تام (٢) ادغام ناقص۔

ادغام تام: اگر بوقت ادغام مدغم کی صفت باقی نہ رہے تو اس کو ادغام تام کہتے ہیں جیسے مِنْ رَّبِّہٖ وغیرہ۔

ادغام ناقص: اگر بوقت ادغام مدغم کی صفت باقی رہے تو اس کو ادغام ناقص کہیں گے جیسے مَنْ یَّقُوْلُ وغیرہ۔

سوم شرطِ ادغام یہ تین ہیں: مدغم اور مدغم فیہ کا الگ الگ کلمہ میں مرسوم ہونا، مدغم کا ساکن اور مدغم فیہ کا متحرک ہونا، ساتھ ہی روایت سے ثابت ہونا۔

چہارم علت ادغام یہ دو ہیں: ایک قرب مخرج، دوسرے اتحاد مخرج۔

پنجم قواعد ادغام یہ تین ہیں: (١) نونِ ساکن وتنوین کا ادغام (٢) میم ساکن کا ادغام (٣) لام تعریف کا ادغام۔

نونِ ساکن اور تنوین[1] کا ادغام اس وقت ہوگا جب نونِ ساکنہ یا تنوین کے بعد حروف یرملون میں سے کوئی بھی حرف آجائے۔ جیسے مَنْ یَّشَآءُ اور یَوْمَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ وغیرہ۔

---

(١) نون ساکن اس کو کہا جاتا ہے کہ جس پر کوئی حرکت نہ ہو۔ یہ لکھا بھی جاتا ہے، پڑھا بھی جاتا ہے۔ وصل ووقف دونوں حالتوں میں ثابت رہتا ہے۔ اسم، فعل، حرف تینوں پر آتا ہے۔ اور وسط وآخر دونوں جگہ واقع ہوتا ہے۔ نون تنوین وہ نونِ ساکن ہے جو اس کے آخر میں لاحق ہوتا اور پڑھا جاتا ہے مگر لکھا نہیں جاتا۔ وصل میں پڑھا جاتا ہے، وقف میں نہیں پڑھا جاتا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ نونِ ساکن اور تنوین میں چار لحاظ سے فرق ہے۔ **اول** یہ کہ نونِ تنوین کلمہ کے آخر میں آتا ہے، اور نونِ ساکن وسط اور آخر دونوں جگہ آتا ہے۔ **دوم** یہ کہ نونِ تنوین صرف اسم کے آخر میں آتا ہے اور نونِ ساکن اسم، فعل، حرف تینوں پر آتا ہے۔ **سوم** یہ کہ نونِ تنوین تلفظ میں آتا ہے، رسم میں نہیں آتا اور نونِ ساکن تلفظ اور رسم دونوں میں آتا ہے۔ **چہارم** یہ کہ نونِ تنوین فقط وصل میں پڑھا جاتا ہے، وقف میں نہیں اور نونِ ساکن دونوں حالتوں میں پڑھا جاتا ہے مگر ان چار وجوہ سے مختلف ہونے کے باوجود تلفظ وادا میں چونکہ یہ دونوں متحد ہیں اور قراء ادا ہی سے بحث کرتے ہیں اس وجہ سے دونوں کو ایک ساتھ بیان کر دیا گیا۔ ١٢ منہ

مگر دُنْیَا، قِنْوَان، صِنْوَان، بُنْیَان [1] میں مذکورہ قاعدہ پائے جانے کے باوجود ادغام نہ ہوگا بلکہ ان میں اظہار مطلق کیا جائے گا۔

فائدہ: یرملون میں سے چار حرف یعنی ینمو میں ادغام بالغنہ ہوگا باقی لام اور را میں ادغام بلا غنہ ہوگا۔ جیسے مِنْ وَّال اور مِنْ لَّدُنْ وغیرہ۔

میم ساکنہ کا ادغام اس وقت ہوگا جب کہ اس کے بعد کوئی دوسری میم آئے جیسے وَکَمْ مِّنْ فِئَةٍ وغیرہ۔

لام تعریف [2] کا ادغام یہ اس وقت ہوگا جب کہ لام تعریف کے بعد ستزد ضل نظر صشط شذ کے حرفوں میں سے کوئی حرف آئے۔ جیسے وَالسَّمَاءِ، اَلرَّحْمٰنُ وغیرہ۔

فائدہ: لام تعریف کے بعد ابغ حجک وخف عقیمہ میں سے کوئی حرف آئے تو لام تعریف کا اظہار [3] ہوگا جیسے اَلْحَاقَّة، القَارِعَه وغیرہ۔

---

(۱) ابھی متن میں آپ نے پڑھا کہ حروف یرملون میں نون کے ادغام کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ نون ساکن اور حروف یرملون دونوں دو کلمہ میں ہوں اور ان کلمات میں نون اور واؤ، یا ایک کلمہ میں ہیں اس لیے ادغام نہ ہوگا، اظہار ہوگا۔ ادغام نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کلمہ کے مشابہِ مضاعف ہونے کا اندیشہ ہے جیسا کہ علامہ شاطبی فرماتے ہیں: وعندهما للكل اظهر بكلمة ٥ مخافة اشباه المضاعف اثقلا اور چار الفاظ کی قید اس لیے لگائی ہے کہ ان کے علاوہ قرآن شریف میں اور کوئی لفظ ایسا نہیں جہاں نون ساکن اور حروفِ یرملون ایک کلمہ میں جمع ہوں۔ ۱۲ منہ

(۲) **لام تعریف:** اس لام کو کہتے ہیں جو کسی اسم نکرہ کو معرفہ بنانے کے لیے لگایا جاتا ہے، مثلاً بلد سے البلد اور شمس سے الشمس وغیرہ۔ ۱۲ منہ

(۳) اظہار کے لغوی معنی اَلْبَیَان یعنی خوب ظاہر کرنے کے ہیں اور اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے: اخراج کل حرف من مخرجه من غیر تغیر کما اقتضیٰ ذاته وصفاته۔ یعنی حرف کو اس کے مخرج مقررہ سے بغیر کسی تغیر کے ٹھیک اسی طرح ادا کرنا جس طرح اس کی ذات اور صفات لازمہ کا تقاضا ہو۔

(معلم التجوید للمتعلم المستفید: ص ۱۲٤)

فائدہ : لام تعریف کا جن حرفوں میں اظہار ہوتا ہے ان کو حروفِ قمریہ کہتے ہیں، یہ چودہ (۱۴) حروف ہیں۔ اور جن حرفوں میں لام تعریف کا ادغام ہوتا ہے ان کو حروف شمسیہ کہتے ہیں یہ بھی چودہ (۱۴) حروف ہیں۔

حفص رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں حرفوں کے مدغم اور مدغم فیہ

ہندوستان میں چونکہ روایت حفص ہی بکثرت پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے، اس لیے قرآن مجید میں وقوع کے لحاظ سے مناسب معلوم ہوا کہ جملہ ۲۹ حرفوں کا ادغام بیان کردیا جائے تاکہ محل ادغام سمجھنے میں آسانی ہو۔ حروف ہجائیہ کی ترتیب سے حسب ذیل مواقع ذکر کیے جاتے ہیں :

الف: یہ حرف قرآن میں نہ مدغم ہے اور نہ مدغم فیہ۔

ب: مماثل میں مدغم و مدغم فیہ ہے جیسے اِذْھَبْ بِّکِتَابِی ھٰذَا ۔ مجانس میں مدغم ہے جیسے اِرْکَبْ مَّعَنَا بطریق شاطبی اور بطریق جزری اظہار ہے۔

ت: مماثل میں ہر جگہ مدغم اور مدغم فیہ ہے جیسے فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُھُمْ وغیرہ اور اپنے مجانس میں صرف دال اور طا میں مدغم ہے جیسے اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا اور آمَنَتْ طَّآئِفَۃ وغیرہ۔ اور دال، طا کا مدغم فیہ بھی ہے جیسے قَدْ تَّبَیَّنَ اور فَرَّطْتُّمْ وغیرہ۔ اور اپنے مقارب میں لام تعریف کا مدغم فیہ ہے جیسے وَالتِّیْنِ وغیرہ۔

ث: اپنے مجانس ذال میں مدغم ہے جیسے یَلْھَثْ ذّٰلِکَ بطریق شاطبی یہ صرف ایک جگہ ہے اور اپنے مقارب میں لام تعریف کا مدغم فیہ ہے جیسے وَالثَّمَرٰتِ وغیرہ، مگر مماثل کی مثال کلام اللہ میں نہیں ہے۔

ج: نہ مدغم اور نہ مدغم فیہ ہے۔

ح: نہ مدغم، نہ مدغم فیہ۔

خ: نہ مدغم، نہ مدغم فیہ۔

د: مماثل میں مدغم و مدغم فیہ ہے جیسے قَدْ دَّخَلُوْا۔ مجانس میں تا کا مدغم ہے۔ جیسے لَقَدْ تَّقَطَّعَ وغیرہ۔ اور مدغم فیہ بھی ہوگا جیسے اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمْ۔ اور مقارب میں لام تعریف کا مدغم فیہ بھی ہے جیسے اَلدَّاعِیْ وغیرہ۔

ذ: اپنے مماثل میں مدغم و مدغم فیہ ہے جیسے اِذْ ذَّهَبَ۔ اپنے مجانس میں ظا کا مدغم ہے جیسے اِذْ ظَّلَمُوْا اور ثا کا مدغم فیہ ہے جیسے یَلْهَثْ ذّٰلِکَ۔ اور اپنے مقارب میں لام تعریف کا مدغم فیہ ہے مثل وَالذّٰرِیٰتِ وغیرہ۔

ر: مماثل میں مدغم اور مدغم فیہ ہے مثل وَاذْکُرْ رَّبَّکَ۔ مقارب میں لام تعریف وغیرہ کا مدغم فیہ ہے مثل اَلرَّحْمٰنِ اور قُلْ رَّبِّ وغیرہ۔ نیز نونِ ساکنہ وتنوین کا مدغم فیہ بھی ہے مثل مِنْ رِّجَالِکُمْ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وغیرہ۔

ز: یہ مماثل و مجانس میں نہ مدغم اور نہ مدغم فیہ ہے۔ البتہ اپنے مقارب میں لام تعریف کا مدغم فیہ ہے جیسے اَلزَّبُوْرِ وغیرہ۔

س: یہ حرف صرف اپنے مقارب میں لام تعریف کا مدغم فیہ ہے جیسے وَاَمَّا السَّآئِلَ وغیرہ اپنے مماثل و مجانس میں نہ مدغم ہے نہ مدغم فیہ ہے۔

ش: معجمہ یہ صرف اپنے مقارب ہی میں لام تعریف کا مدغم فیہ ہے جیسے وَالشَّجَرُ وغیرہ

ص: یہ صرف اپنے مقارب میں ہی لام تعریف کا مدغم فیہ ہے جیسے وَالصّٰٓفّٰتِ وغیرہ

ض: یہ صرف اپنے مقارب میں ہی لام تعریف کا مدغم فیہ ہے جیسے وَلَا الضَّآلِّیْنَ وغیرہ

ط: اپنے مجانس میں صرف تا کا مدغم فیہ ہے جیسے وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ اور تا میں مدغم ہے جیسے اَحَطْتُّ وغیرہ۔ اپنے مقارب میں لام تعریف کا مدغم فیہ ہے جیسے وَالطَّارِقِ وغیرہ۔

ظ: اپنے مجانس میں صرف ذال کا مدغم فیہ ہے جیسے اِذْ ظَّلَمُوْا۔ اور اپنے مقارب

لام تعریف کا مدغم فیہ ہے جیسے اَلظّٰلِمِیْنَ وغیرہ۔

ع: صرف اپنے مماثل میں مدغم و مدغم فیہ ہے جیسے لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْہِ ۔

غ: نہ مدغم، نہ مدغم فیہ۔

ف: صرف اپنے مماثل میں مدغم و مدغم فیہ ہے جیسے فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ۔

ق: صرف اپنے مقارب میں ایک جگہ مدغم ہے جیسے اَلَمْ نَخْلُقْکُّمْ۔

ک: مماثل میں مدغم فیہ ہے جیسے یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ ۔مقارب میں صرف قاف کا مدغم فیہ ہے جیسے اَلَمْ نَخْلُقْکُّمْ۔

ل: مماثل میں مدغم و مدغم فیہ ہے جیسے بَلْ لَّا تُکْرِمُوْنَ ۔مقارب میں را کا مدغم ہے جیسے قُلْ رَّبِّ۔اور نون کا مدغم فیہ بھی ہے جیسے اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ۔

م: مماثل میں مدغم و مدغم فیہ ہے جیسے اِرْکَبْ مَّعَنَا ۔اور اپنے مقارب میں نون کا مدغم فیہ ہے جیسے مِنْ مَّارِجٍ اور کَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ وغیرہ۔

ن: مماثل میں مدغم و مدغم فیہ ہے جیسے مَنْ نَّشَآءُ وغیرہ۔اور مقارب میں یرملو کے پانچ حرفوں میں مدغم اور لام تعریف کا مدغم فیہ ہے جیسے وَالنَّاس وغیرہ۔

و: مماثل میں مدغم و مدغم فیہ ہے جیسے وَعَصَوْا وَّکَانُوْا وغیرہ۔اور مقارب میں صرف نون کا مدغم فیہ ہے جیسے مِنْ وَّالٍ وغیرہ۔

ہ: اپنے مماثل میں مدغم و مدغم فیہ ہے جیسے مَالِیَہْ ھَّلَکَ وغیرہ۔

ء: نہ مدغم، نہ مدغم فیہ۔

ی: صرف اپنے مقارب میں نون کا مدغم فیہ ہے جیسے مَنْ یَّشَاءُ وغیرہ۔ (ملخص از: نہایۃ القول المفید، ص ۱۳۸ تا ۱۴۱)

فائدہ: واؤ اور یا مدہ کا ادغام امام حفص رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں کہیں نہیں ہے۔

عارض بالحرف کی تیسری قسم 'اخفا'

اخفا کے لغوی معنی "اَلسَّتْــرُ" یعنی چھپانے کے ہیں اور اصطلاح میں اخفا کی تعریف یہ ہے : **ھو عبارۃ عن النطق بحرف ساکن عار عن التشدید علی صفة بین الاظھار والادغام مع بقاء الغنة فی الحرف الاول .**
یعنی کسی حرف ساکن کو اظہار وادغام کی درمیانی کیفیت پر اس میں صفت غنہ کو باقی رکھ کر بغیر تشدید کے ادا کرنا۔اس کی چند صورتیں ہیں : (۱) اخفاے حقیقی (۲) اخفاے شفوی (۳) اخفا مع القلب۔

اخفاء حقیقی : نون ساکن یا نون تنوین کے بعد حرف حلقی، حرف یرملون اور الف و با کے سوا باقی پندرہ حرفوں میں سے کوئی حرف آئے تو وہاں اخفاء مع الغنہ ہوگا، جیسے انزلنا ، من کان ، کأساً دھاقاً وغیرہ۔

اخفاء کی مثال اردو میں "پنکھا" "کنواں" وغیرہ سے بآسانی سمجھی جاسکتی ہے۔

اخفاء شفوی : اگر میم ساکن کے بعد با آئے تو اس وقت اخفاء مع الغنہ ہوگا جیسے یَعْتَصِمْ بِاللّٰہِ وغیرہ۔

فائدہ : اخفا کرتے وقت نونِ ساکن اور تنوین کو پوشیدہ کرتے ہوئے صرف صفت غنہ کو ظاہر کرنا یہ اخفاء تام ہے، اور اگر میم ساکن کو ضعیف کیا اور صفت غنہ میم میں مزید ادا یہ اخفاء ناقص ہے۔

عارض بالحرف کی چوتھی قسم اخفاء مع القلب (یعنی اقلاب)

اقلاب کے لغوی معنی "تحویل الشی عن وجهه" یعنی کسی چیز کو اس کی حقیقت سے پھیر دینے کے ہیں۔اور اصطلاح میں اقلاب کی تعریف یہ ہے: هو جعل حرف مكان حرفٍ آخر مع مراعاة الغنة . یعنی صفت غنہ کو باقی رکھ کر ایک حرف کو دوسرے حرف کی جگہ رکھ دینا یعنی اس سے بدل دینا۔

نون ساکنہ یا تنوین کے بعد حرف (ب) آئے تو نون اور تنوین کو میم سے بدل کر اخفاء مع الغنہ کیا جائے گا جیسے مِنْۢ بَقْلِهَا ، اَمْوَاتًاۢ بَلْ اَحْيَاء وغیرہ اس کو اقلاب بھی کہتے ہیں۔

عارض بالحرف کی پانچویں قسم 'تسہیل'

تسہیل کے لغوی معنی ہیں آسان کرنا اور اصطلاح میں تسہیل سے مراد یہ ہے کہ ہمزہ کو نہ تو ایسی سختی کے ساتھ ادا کیا جائے جو اس کے لیے بوجہ جہر و شدت ضروری ہے، اور نہ ہی اتنا نرم ادا کیا جائے کہ وہ الف سے بالکل بدل ہی جائے بلکہ ان دونوں کیفیتوں کے درمیان اس طرح ادا کیا جائے کہ نرم تو ہو لیکن اس کی ماہیت نہ بدلے، بس اسی کو تسہیل کہتے ہیں۔

سیدنا امام حفص علیہ الرحمہ کے نزدیک تمام کلام اللہ میں جہاں دو ہمزہ جمع ہوں خواہ دونوں ایک کلمہ میں ہوں یا دو کلموں میں، دونوں کی حرکات متفق ہوں یا مختلف سب صورتوں میں دونوں کو بالتحقیق یعنی جھٹکے کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ تسہیل کے معنی ہمزۂ ثانیہ کو نرم کر کے پڑھنا۔

تسہیل کی بلحاظ کیفیت دو قسمیں ہیں۔(۱) بین بین قریب (۲) بین بین بعید

چونکہ تمام کلام اللہ میں قراء کے نزدیک بین بین بعید ثابت اور مروی نہیں اس لیے اس کے بیان کی ضرورت نہیں البتہ بین بین قریب محتاج بیان ہے۔ بین بین قریب امام حفص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک صرف ایک جگہ اپنے اصول کے خلاف کلمہ ءَ اَعۡجَمِیٌّ [1] سورۂ حٰم سجدہ میں ہے اس میں ہمزۂ ثانیہ کو اس طرح نرم اور آسانی سے ادا کریں کہ ہمزہ میں جھٹکا نہ ہو۔ یعنی ہمزۂ ثانیہ الف سے مخلوط ادا ہو۔ یہ تسہیل روایۃً ضروری ہے، ورنہ ترک روایت لازم آئے گا۔

اسی طرح تین کلمات اور ہیں جہاں تسہیل کا قاعدہ جاری ہوگا۔ ءٰالذکرین سورۂ انعام میں دو جگہ اور سورۂ یونس میں لفظ ءٰالۡـٰٔنَ اور سورۂ یونس میں ہی لفظ ءٰاللّٰہ اور یہی لفظ سورۂ نمل میں بھی واقع ہے۔ ان کلمات ثلاثہ میں تسہیل ہوگی مگر تسہیل سے ابدال بہتر و مختار ہے۔ چونکہ اس جگہ پہلا ہمزہ استفہام کا ہے، یہ اصلی ہے اور ثانی ہمزہ وصلی ہے اور دونوں ہمزہ متفق الحرکت ہیں تو ضرورت تھی حذف کی مگر یہاں حذف کی صورت میں اصلی اور وصلی میں التباس کا خوف پیدا ہوا لہٰذا ہمزہ وصلی میں تغیر ہوا۔

یہاں تغیر کی دو صورتیں ہیں: (۱) صورتِ تسہیل (۲) صورتِ ابدال۔ اس جگہ تسہیل سے بہتر و مختار ابدال اس لیے ہے کہ تسہیل میں ہمزہ مغیرہ ناقص ادا ہوتا ہے، اور ابدال میں تغیر کامل ہو جاتا ہے۔

---

(۱) خاص اس لفظ میں تسہیل کی وجہ یہ ہے کہ یہاں تین حروف حلقی جمع ہو رہے ہیں جو زبان پر کچھ ثقیل ہیں، لہٰذا اس ثقالت کو دوسرے ہمزہ کی تسہیل کے ساتھ رفع کیا گیا ہے۔ یہ نکات بعد الوقوع ہوتے ہیں ورنہ اصل وجہ اتباع روایت ہے۔ ۱۲ منہ

عارض بالحرف کی چھٹی قسم 'اشمام'

یہ صرف سورۂ یوسف میں لفظ لَا تَاْمَنَّا کے پہلے نون میں ہے، اس کے علاوہ امام حفص علیہ الرحمہ کی روایت میں اشمام مع الادغام اور اظہار مع الروم جائز نہیں، کیوں کہ وصل خود ہی اظہار حرکت کو لازم ہے۔

یہ لفظ دراصل لَا تَاْمَنُ نَا تھا۔ نون اول مضموم کو ساکن کر کے نون ثانی میں ادغام کر دیا اب یہ لفظ رسماً موصول ہے اس میں محض اظہار اور محض ادغام جائز نہیں بلکہ ادغام کے ساتھ اشمام اور اظہار کی حالت میں روم کرنا ضروری ہے۔

اس لفظ میں اصطلاحاً نہ ادغام کبیر ہے اور نہ ہی ادغام صغیر۔ کیوں کہ مدغم اور مدغم فیہ الگ الگ مرسوم نہیں اور دراصل پہلا حرف ساکن بھی نہیں، اسی وجہ سے اس میں خالص اظہار بھی درست نہیں بلکہ جو اظہار حرکت ثابت ہے وہ کامل حرکت بھی نہیں، وہ محض روم کی وجہ سے ہے اس لیے مجازاً اظہار کہہ سکتے ہیں اور ادغام بھی یہاں مجازاً ہے۔

عارض بالحرف کی ساتویں قسم 'روم'

یہ بھی صرف لفظ لَا تَاْمَنَّا کے نون اول میں بحالت اظہار ہے، اس کا بیان اوپر ابھی گزرا۔

عارض بالحرف کی آٹھویں قسم 'صورتِ نقل'

یعنی ہمزۂ وصلی کی حرکت نقل کر کے ماقبل کے حرف ساکن کو دے دینا اور ہمزہ کو حذف کر دینا جیسے اِنِ ارْتَبْتُمْ، مِنَ اللّٰهِ ، اَمِ ارْتَابُوْا، بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ[1] وغیرہ۔

یہ صورت بمعنی مثل ہے یعنی جس طرح ورش علیہ الرحمہ کی روایت میں ہمزۂ اصلی وقطعی کی حرکت نقل کر کے ماقبل کے حرف ساکن کو دے کر ہمزہ حذف کر دیتے ہیں اسی کے مثل ہمزۂ وصلی کی حرکت بھی نقل کر کے ماقبل کے ساکن کو دے دیں گے، اور ہمزہ حذف ہو جائے گا اسی کو صورتِ نقل کہتے ہیں۔ چوں کہ نقل عارض بالحرف ہے اس لیے صورتِ نقل بھی عارض بالحرف ہے۔

تنبیہ : ہمزۂ وصلی کی حرکت ماقبل کے حرفِ ساکن کے مخالف ہو تو اس کو صورتِ نقل نہیں کہیں گے جیسے قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ وغیرہ۔

---

(۱) اس کلمہ کا یہ تلفظ بحالت وصل ہے۔ اور اگر بئس پر وقف کر کے مابعد سے ابتدا کی جائے تو پھر لام تعریف سے قبل جو ہمزہ ہے اس کا حذف واثبات دونوں درست ہے۔ باقی رکھنا تو اس لیے درست ہے کہ ابتدا ہو رہی ہے اور ابتدا میں ہمزۂ وصلی پڑھا جاتا ہے۔ اور حذف کرنا اس لیے درست ہے کہ ہمزۂ وصلی اس وجہ سے زائد کیا جاتا ہے کہ اس کا مابعد ساکن ہوتا ہے اور حرف ساکن سے ابتدا متعذر رہوتی ہے، اور چوں کہ ہمزۂ وصلی کا مابعد اجتماع ساکنین علی غیر حدہٖ کی وجہ سے متحرک ہو گیا ہے اور ہمزۂ وصلی کو زائد کرنے کی مجبوری باقی نہیں رہی، لہٰذا حذف کرنا بھی جائز ہے۔ اور ہر ہمزۂ وصلی جس کا مابعد کسی وجہ سے متحرک ہو جائے ابتدا کی حالت میں اس کا یہی حکم ہے۔ ۱۲ منہ

عارض بالحرف کی نویں قسم 'سکون'

سکون 'سلب حرکت' یعنی حرکت کے نہ ہونے کو کہتے ہیں۔ جس کی علامت [ْ] ہے۔ چوں کہ حروف پر سکون و حرکات فی نفسہٖ عارض ہیں اس لیے یہ دونوں عارض بالحرف ہیں۔

سکون بلحاظ مرکب کلمات دو طرح پر واقع ہوگا : (۱) لازم (۲) عارض۔ سکون لازم کی بھی دو قسمیں ہیں : (۱) سکون مخفف (۲) سکون مشدّد۔ اسی طرح سکونِ عارض کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) عارض بالوقف (۲) عارض بالادغام۔

حرف ساکن کے ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو جماؤ کے ساتھ اس طرح ادا کیا جائے کہ اس کی آواز مخرج میں رُک جائے اور ہلنے نہ پائے اور پھر بغیر فصل کے دوسرا حرف ادا ہو کیوں کہ آواز کے ہلنے سے اس میں حرکت کا کچھ اثر آجاتا ہے۔ لہٰذا سکون کی ادا میں خاص خیال رکھنا چاہیے ورنہ لحن جلی ہو جائے گا۔

عارض بالحرف کی دسویں قسم حرکات

حرکت کے لغوی معنی ہلنے کے ہیں اور اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ وہ آواز جو قصداً کسی حرف پر زائد کی جائے اس کو حرکت کہیں گے۔ اس کی دو قسمیں ہیں : (۱) حرکت اصلی (۲) حرکت عارضی۔

حرکت عارضی بھی دو طرح پر واقع ہوگی: اول حرکت عارضی للابتداء جیسے اِرْجِعُوْا وغیرہ۔ دوسرے حرکت عارضی لاجتماع الساکنین جیسے مِنَ اللّٰهِ وغیرہ۔

حرکت اصلی یہ تین ہیں: فتحہ ، ضمہ ، کسرہ۔ بلحاظ ادا حرکت کی دو قسمیں ہیں: (۱) حرکت اصلی (۲) حرکت فرعی۔ حرکت فرعی دو ہیں: (۱) فتحہ ممالہ (۲) کسرہ مشمّہ۔ اور حرکت اصلی بلحاظ کیفیت تین طرح پر واقع ہوگی۔ اکمال حرکت، اختلاسِ حرکت، روم حرکت۔

تنبیہ : روایت حفص رحمۃ اللہ علیہ میں اختلاس حرکت اور کسرہ مشمّہ جائز نہیں۔

فائدہ : حرکت اصلی وہ ہے کہ جس میں کسی دوسری حرکت کا اختلاط نہ ہو اور حرکت فرعی وہ ہے جو اصلیہ ہی کے اختلاط سے متفرع ہو۔

حرکت کی باعتبار تلفظ دو قسمیں ہیں: (۱) معروف (۲) مجہول۔ اور ان کا حکم یہ ہے کہ قرآن مجید میں بلکہ تمام عربی کتابوں اور عربی بول چال میں حرکت معروف ہی ادا کی جاتی ہے۔ مجہول حرکت غیر عربی زبانوں میں مستعمل ہے۔ عربی میں اس کا استعمال قطعاً نہیں ہوتا۔ حرکت معروف اور مجہول میں لفظی طور پر امتیاز اور فرق تو استاد کی زبانی سننے سے ہی معلوم ہو سکتا ہے، البتہ بطور علامت اور پہچان اتنی بات ذہن نشیں کر لیں کہ حرکت معروف وہ ہے کہ جس کے کھینچنے سے واؤ معروف اور یائے معروف پیدا ہو اور اگر پیش اور زیر کو اس طرح ادا کیا جائے کہ اس کے کھینچنے سے واؤ اور یا مجہول پیدا ہو تو وہ ضمہ اور کسرہ مجہول کہلائے گا۔ اور اردو و فارسی میں مجہول بھی ہیں اور معروف بھی۔ چنانچہ لفظ 'نور' اور لفظ 'جمیل' کی واؤ یا تو معروف ہیں اور لفظ 'مور' اور لفظ 'درویش' کی واؤ یا مجہول۔ اور چوں کہ ایک زبر نصف الف، ایک پیش نصف واؤ، اور ایک زیر نصف یا ہوتا ہے اس لیے جس طرح یہ حروف معروف پڑھے جاتے ہیں، اسی طرح ان حرکتوں کو بھی معروف ہی پڑھنا چاہیے تا کہ قرآن کا لفظی حسن اور جمالِ ادا باقی رہے۔

حرکات کی ادائگی کا طریقہ

فتحہ، زبر کو کہتے ہیں۔ یہ حرکت منہ اور آواز کھول کر ادا ہوتی ہے۔جیسے بَ۔
کسرہ، زیر کو کہتے ہیں۔ یہ حرکت منھ اور آواز کو نیچے گرا کر ادا ہوتی ہے جیسے بِ
ضمہ، پیش کو کہتے ہیں۔ یہ حرکت ہونٹوں کو گول کر کے ناتمام ملانے سے ادا ہوتی ہے جیسے بُ۔

زبر، زیر، پیش تینوں حرکتوں کو بڑے اہتمام سے ادا کرنا چاہیے ورنہ حرکات میں خلط ملط ہونے سے بسا اوقات لحن جلی لازم آتا ہے۔ میزانِ حرکات ثلاثہ کو اشباع سے بھی بچانا چاہیے ورنہ زبر کو بڑھانے سے الف اور زیر کو بڑھانے سے یا مدہ اور پیش کو بڑھانے سے واؤ مدہ پیدا ہوجائے گا۔ ہر حرکت کا اپنی دونوں مقابل حرکات میں مشابہ ہونا ممکن ہے۔حرکات کے صحیح ادا کرنے کا طریقہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہو چکا ہے۔

فائدہ : جب زبر کے بعد الف، زیر کے بعد یا ساکنہ اور پیش کے بعد واؤ ساکن غیر مشدد ہو، تو اس وقت ان حرکات کو اشباع یعنی کھینچ کر ادا کرنا چاہیے ورنہ لحن جلی لازم آئے گا۔

فائدہ : لفظ مَجْرٖیھَا جو سورۂ ہود (علیہ السلام) میں ہے، خاص اسی لفظ میں امام حفص رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک امالہ ثابت ہے، اس کے فتحہ کو کسرہ کی جانب اور الف کو یا کی طرف مائل کر کے پڑھا جائے، گویا نہ خالص کسرہ، نہ خالص فتحہ، نہ ہی خالص الف اور نہ ہی خالص یا مقرو ہوگی بلکہ بین بین حروف ادا ہوں گے اسی وجہ سے یہ الف وفتحہ حرفِ فرعی اور حرکت فرعی ہیں۔

مَعْرِفَةُ الْوُقُوْفْ

دوسرا باب ...... فصل اول

علم وقف کی ضرورت و اَہمیت

معرفت وقف کی اہمیت کا اندازہ اور اس علم کی ضرورت کا احساس کرنے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ جس طرح دلائل شرعیہ یعنی قرآن وحدیث اور اجماع امت سے قرآن مجید کا تجوید وترتیل کے ساتھ پڑھنا واجب اور ضروری ہے، اسی طرح معرفۃ الوقوف یعنی قرآنی اوقاف کا پہچاننا اور دورانِ تلاوت حسن وقف وابتدا کی رعایت رکھنا اور اس کا تعمد کے ساتھ اہتمام کرنا بھی ضروری ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جس طرح تجوید کے ذریعہ حروفِ قرآنیہ کی تصحیح ہوتی ہے اسی طرح معرفۃ الوقوف کے ذریعہ معانی قرآن کی تفہیم ہوتی ہے۔

محقق فن علامہ جزری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ''مقدمہ جزریہ'' میں فرماتے ہیں :

و بعد تجویدک للحروف لا بد من معرفۃ الوقوف

یعنی حرفوں کی عمدگی کے ساتھ ادائیگی کا طریقہ جان لینے کے بعد وقف کی معرفت حاصل کرنا بھی ازحد ضروری ہے۔

جاننا چاہیے کہ روایت حفص علیہ الرحمہ میں مہارت حاصل کرنے کے لیے تین

علموں کا جاننا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ **اول : تجوید ، دوم : وقف ، سوم :** مصاحف عثمانیہ کا رسم۔

تجوید کا بیان قبل ازیں آپ تفصیل سے پڑھ آئے ہیں۔ اب یہاں سے وقف اور متعلقات وقف کا بیان ہوگا۔

وقف' آخر کلمہ غیر موصولہ پر سانس اور آواز توڑ کر ٹھہرنے کو کہتے ہیں چوں کہ کوئی شخص بلا سانس لیے قرآن کریم کی مسلسل تلاوت نہیں کرسکتا۔ جب تنفس کی غرض سے درمیان میں ٹھہرنا اور رُکنا ثابت ہوگیا تو ایسے قاری کے لیے لازم ہے کہ ایسی جگہ ٹھہرے جس سے کلام الٰہی میں حسن نظم باقی رہے اور مفہوم و معنی برقرار رہیں اور ٹھہرنے میں ایہام معنی غیر مراد لازم نہ آئے۔ نیز کلام کا حسن اور اس کی خوبی اسی وقت ظاہر ہوگی جب صحیح جگہوں پر وقف کیا جائے اور اگر بغیر رعایت معنی وقف کیا گیا تو بعض صورتوں میں وقف کرنے سے نہ صرف کلام کا حسن غارت ہوجاتا ہے بلکہ ایسے معنی پیدا ہوجاتے ہیں کہ جن کا اعتقاد گناہ یا کفر کا موجب ہوتا ہے مثلاً سورۂ ابراہیم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول ' **فَمَنْ تَبِعَنِی فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَ مَنْ عَصَانِیْ** ' پر اگر وقف کیا جائے تو معنی یہ ہوگا ''پس جس نے میری اتباع کی بیشک وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی'' تو اس صورت میں نافرمانی کرنے والے کا بھی پیروانِ حضرت ابراہیم میں سے ہونے ایہام ہوگا حالانکہ یہ بالکل خلافِ مراد ہے۔ اس لیے وقف یا تو منی پر کرنا چاہیے یا ختم آیت پر یعنی **غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ** پر۔ ہاں! اضطراراً وقف ہوجائے تو فوراً اِعادہ کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ معرفت وقوف بھی تلاوت قرآن میں ضروری ہے، مگر افسوس کہ آج کل اس سے بالکل بے توجہی برتی جارہی ہے۔

ذیل میں اختصار کے ساتھ وہ احادیث اور اقوال تحریر کیے جارہے ہیں جن سے

وقف کی اہمیت کا پتا چلتا ہے۔اس سلسلہ میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ آپ نے آیت کریمہ ''وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا'' کی تفسیر ''تجوید الحروف و معرفة الوقوف'' سے فرمائی ہے۔ یعنی آپ نے ترتیل کے دو جز بیان فرمائے ہیں: تجوید حروف اور معرفت وقوف۔ اور چونکہ بغیر جز کے شے نا مکمل رہتی ہے اس لیے تکمیل ترتیل کے لیے معرفت وقوف نہایت ضروری ہے۔

گو قراءت میں اصل' وصل یعنی مسلسل پڑھنا ہی ہے مگر وقف' عارض ہونے کے باعث ناگزیر ہے،اس لیے وقف کے قواعد و مواقع کا جاننا بھی ضروری ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ اس کے حلال وحرام، اَمر و زَجر، اور محل وقوف کی ہمیں تعلیم فرماتے تھے۔ یہ حدیث نقل کرنے کے بعد ملا علی قاری 'المنح الفکریة' میں فرماتے ہیں:

> قال الناظم ففی کلام علي رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه دلیل علی وجوب تعلّمه ومعرفته و فی کلام ابن عمر رضی اللّٰہ عنهما برهان علی ان تعلّمه اجماع من الصحابة رضی اللّٰہ عنهم .
>
> ناظم نے فرمایا کہ امام علی رضی اللہ عنہ کا قول تحصیل وقف و معرفت وقف کے واجب ہونے پر دلیل ہے۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول یہ دلیل فراہم کر رہا ہے کہ علم وقف کا سیکھنا اجماع صحابہ سے ثابت ہے۔

نیز ایک روایت میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخص حاضر ہوئے، ایک نے خدا و رسول پر ایمان کی شہادت دی اور کہا: من یطع اللّٰہ و رسوله فقد رشد و من یعصهما اور یہاں پر وقف کر دیا تو سرکار نے

اس خطیب سے فرمایا: **قم بئس خطیب القوم أنت** یعنی اُٹھ جا، قوم کا تو کیا ہی برا خطیب ہے۔ یہ کیوں نہیں کہا کہ **ومن یعصہما فقد غویٰ۔** (منار الہدیٰ فی الوقف والابتداء: ص ۱۴۔ المنح الفکریہ: ص ۶۱)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہاں وقف کرنا کس قدر شاق گزرا۔ چاہیے یہ تھا کہ **فقد رشد** پر یا پھر **غویٰ** پر وقف کیا جاتا کیوں کہ **یعصہما** پر وقف کرنے سے یہ معنی ہوجاتے ہیں کہ جس نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی اور جس نے دونوں کی نافرمانی کی وہ ہدایت یافتہ ہے، حالانکہ معنی مراد یہ نہیں۔

معلوم ہوا کہ خطیب کے غلط جگہ وقف کرنے پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عتاب فرمایا کیوں کہ اگر وہ دونوں فقرے ایک سانس میں نہیں ادا کرسکا تو اسے **فقد رشد** پر وقف کردینا تھا پھر دوسری سانس میں اگلا جملہ کہتا، لیکن اس طرح وقف کی بے اعتدالی نہایت ناگوار اور ذوقِ سلیم پر بار گزرتی ہے تو کلام اللہ جو کہ ملک الکلام ہے اس میں یہ بے اعتدالیاں کیوں کر روا رکھی جاسکتی ہیں۔ اس قسم کے بے محل اوقاف سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ حالانکہ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اُس خطیب کا مقصد خیر ہی تھا، شر نہیں تھا، مگر بے جا وقف کردینے سے بات کہاں سے کہاں جا پہنچی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وقوف قرآن کی منزلیں ہیں۔

محقق جزری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ان آثار سے معرفت وقوف کا وجوب اور اس پر صحابۂ کرام کا اجماع بھی ثابت ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ائمۂ کرام یعنی امام نافع، امام ابوعَمرو بصری، امام عاصم کوفی اور یعقوب حضرمی وغیرہم سے متواتراً منقول ہے کہ یہ نفوس قدسیہ وقوف کی تعلیم پر خاص توجہ فرماتی تھیں، نیز ان حضرات اور بعض ائمۂ متاخرین نے اپنے تلامذہ سے اس فن کے اصول وقواعد پر سختی سے عمل کروایا، اور بعد میں آنے والے اساتذۂ کرام کے لیے یہ شرط لگائی کہ وہ

اپنے شاگردوں کو اس وقت تک اجازت وسند نہ دیں تاوقتیکہ وہ وقف وابتداء اور متعلقات وقف کے ماہر نہ ہوجائیں۔

وقف کی کیفیتوں کی بحثیں تو کتب تجوید میں مفصل طور پر اور کتب قراءت میں اجمالا ہوتی ہی ہیں، البتہ وقف وابتدا کی بحث بقدر ضرورت ضمنی طور پر لائی جاتی ہے۔ ذیل میں صرف ان تالیفات وتصنیفات کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا موضوع صرف وقف وابتدا ہے۔ اس تفصیلی فہرست سے ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ شائقین فن اس علم کی تحصیل کے لیے اپنے سمند شوق کو مہمیز کرلیں اور یہ جان لیں کہ عہد صحابہ سے لے کر ہر دور میں اس علم وفن کا کیا مرتبہ ومقام اور کتنا اعتنا واہتمام رہا ہے۔ ان تالیفات میں بعض ضخیم ومفصل، بعض متوسط اور بعض مختصر ہیں۔

اسمائے کتب	اسمائے مصنّفین	سال وفات
کتاب الوقف والابتداء	ضرار بن صرف مقری کوفی	[م۱۲۹ھ]
کتاب الوقوف	شیبہ بن نصاح مدنی کوفی	[م۱۳۰ھ]
کتاب الوقف والابتداء	امام ابوعمرو بصری	[م۱۵۴ھ]
الوقف والابتداء	امام حمزہ زیات کوفی	[م۱۵۶ھ]
وقف التمام	امام نافع بن عبدالرحمٰن مدنی	[م۱۶۹ھ]
الوقف والابتداء مفصل	محمد بن سارہ کوفی رؤاسی	[م۱۷۰ھ]
الوقف والابتداء مجمل	محمد بن سارہ کوفی رؤاسی	[م۱۷۰ھ]
الوقف والابتداء	امام ابوالحسن کسائی کوفی	[م۱۸۹ھ]
الوقف والابتداء	ابومحمد یحیٰی بن مبارک تمیمی	[م۲۰۲ھ]
وقف التمام	امام یعقوب بن اسحاق بصری	[م۲۰۵ھ]
الوقف والابتداء	یحیٰی بن زیاد بن عبداللہ	[م۲۰۷ھ]
الوقف والابتداء	معمر بن مثنی ابوعبیدہ	[م۲۱۰ھ]

وقف التمام	سعید بن مسعدہ بصری	[م۲۱۵ھ]
وقف التمام	عیسیٰ بن میناء قالون	[م۲۲۰ھ]
الوقف والابتداء	امام خلف بن ہشام اسدی	
الوقف والابتداء	محمد بن سعدان کوفی	[م۲۳۱ھ]
وقف التام	روح بن عبدالمومن ہذلی	[م۲۳۷ھ]
الوقف والابتداء	عبداللہ بن مبارک بغدادی	[م۲۳۷ھ]
الوقف والابتداء	ابوعمر حفص بن عمر اصبہانی	[م۲۴۰ھ]
وقف التمام	نصیر بن یوسف رازی بغدادی	[م۲۴۰ھ]
الوقف والابتداء	ہشام بن عمار سلمی دمشقی	[م۲۴۵ھ]
الوقف	فضل بن محمد انصاری	[م۲۵۰ھ]
الوقف والابتداء	محمد بن عیسیٰ بن ابراہیم	[م۲۵۳ھ]
المقاطع والمبادی	سہل بن محمد سجستانی بصری	[م۲۵۵ھ]
الوقف والابتداء	ابن ابوالدنیا عبداللہ بن محمد	[م۲۸۱ھ]
الوقف والابتداء	احمد بن داؤد دینوری	[م۲۸۲ھ]
الوقف والابتداء	محمد بن عثمان شیبانی بغدادی	[م۲۸۸ھ]
الوقف والابتداء	احمد بن یحییٰ بن یزید شیبانی	[م۲۹۱ھ]
الوقف والابتداء	سلیمان بن یحییٰ بن ایوب ضبی	[م۲۹۱ھ]
الوقف والابتداء	محمد بن احمد بن محمد کیسان	[م۲۹۹ھ]
الوقف والابتداء	ابراہیم بن السری بن سہل	[م۳۱۱ھ]
الایضاح فی الوقف والابتداء	محمد بن القاسم الانباری	[م۳۲۸ھ]
الوقف والابتداء	احمد بن موسیٰ بن العباس	[م۳۲۴ھ]
الوقف والابتداء	محمد بن محمد بن عباد مکی	[م۳۳۴ھ]
القطع والائتناف	احمد بن محمد بن اسماعیل مصری	[م۳۳۸ھ]
الوقف والابتداء	احمد بن محمد بن اوس	

کتاب الوقوف	احمد بن کامل بغدادی	[م۳۵۰ھ]
الوقف والابتداء	محمد بن الحسن بغدادی	[م۳۵۴ھ]
الوقف والابتداء	الحسن بن عبداللہ بغدادی	[م۳۶۸ھ]
الوقف والابتداء	عثمان بن جنی موصلی	[م۳۹۲ھ]
وقوف النبی ﷺ فی القرآن	محمد بن عیسیٰ اندلسی	[م۴۰۰ھ]
الابانۃ فی الوقف والابتداء	محمد بن جعفر خزاعی جرجانی	[م۴۰۸ھ]
الہدایۃ فی الوقف	مکی بن ابی طالب قیسی اندلسی	[م۴۳۷ھ]
الوقف	مکی بن ابی طالب قیسی اندلسی	[م۴۳۷ھ]
الوقف علیٰ کلا و بلی	مکی بن ابی طالب قیسی اندلسی	[م۴۳۷ھ]
الہدایۃ فی الوقف علی کلا	مکی بن ابی طالب قیسی اندلسی	[م۴۳۷ھ]
شرح التمام والوقف	مکی بن ابی طالب قیسی اندلسی	[م۴۳۷ھ]
شرح اختلاف العلماء فی الوقف علیٰ قولہ تعالیٰ: یدعوا لمن ضرہ اقرب من نفعہ		ایضاً
منع الوقف علیٰ قولہ تعالیٰ: ان اردنا الا الحسنی		ایضاً
شرح معنی الوقف علیٰ قولہ تعالیٰ: لایحزنک قولھم		ایضاً
الوقف التام	مکی بن ابی طالب قیسی اندلسی	[م۴۳۷ھ]
الاہتداء فی الوقف والابتداء	عثمان بن سعید الدانی	[م۴۴۴ھ]
المکتفی فی الوقف والابتداء	عثمان بن سعید الدانی	[م۴۴۴ھ]
الوقف علیٰ کلا و بلی	عثمان بن سعید الدانی	[م۴۴۴ھ]
المرشد فی معنی الوقف	الحسن بن علی بن سعید عمانی قریبا	[م۵۰۰ھ]
المغنی فی معرفۃ وقوف القرآن	الحسن بن علی بن سعید عمانی قریبا	[م۵۰۰ھ]
الوقف والابتداء	علی بن احمد بن الحسن نیساپوری	[م۵۱۶ھ]
الابانۃ فی الوقف والابتداء	ابوالفضل الخزاعی	[م۵۲۰ھ]
الوقف والابتداء	عمر بن عبدالعزیز الحنفی	[م۵۳۶ھ]
نظام الاداء فی الوقف والابتداء	عبدالعزیز بن علی بسماتی اندلسی	[م۵۶۰ھ]

الایضاح فی الوقف والابتداء	محمد بن طیفور غزنوی سجاوندی	[م ۵۶۰ھ]
وقف القرآن	محمد بن طیفور غزنوی سجاوندی	[م ۵۶۰ھ]
الہادی الی معرفۃ المقاطع والمبادی	الحسن بن احمد الحسن الہمذانی	[م ۵۶۹ھ]
الاہتداء فی الوقف والابتداء	عیسیٰ بن عبدالعزیز التمیمی الاسکندری	[م ۶۲۹ھ]
علم الاہتداء فی معرفۃ الوقف الابتداء	الامام علم الدین السخاوی	[م ۶۴۳ھ]
التنبیہات علی معرفۃ ما یخفٰی من الوقوفات	عبدالسلام بن علی الزواوی	[م ۶۸۱ھ]
الاقتضاء والاقتداء فی معرفۃ الوقف والابتداء	معین الدین عبداللہ النکزاوی	[م ۶۸۳ھ]
وصف الاہتداء فی الوقف والابتداء	ابراہیم بن عمر الجعبری	[م ۷۳۲ھ]
علم الاہتداء فی معرفۃ الوقف والابتداء	ابوعبداللہ محمد بن محمد ہمام	[م ۷۴۵ھ]
الاہتداء فی الوقف والابتداء	محمد بن محمد بن محمد ابن الجزری	[م ۸۳۳ھ]
تعلیق علی وصف الاہتداء فی الوقف والابتداء للجعبری	محمد بن محمد بن محمد ابن الجزری	[م ۸۳۳ھ]
لحظۃ الطرف فی معرفۃ الوقف	ابراہیم بن موسیٰ کرکی	[م ۸۵۳ھ]
المقصد لتلخیص ما فی المرشد	شیخ الاسلام زکریا انصاری مصری	
تحفۃ العرفان فی بیان اوقاف القرآن	احمد بن مصطفےٰ کبریٰ زادہ	[م ۹۶۸ھ]
منار الہدیٰ فی بیان الوقف والابتداء	احمد بن محمد عبدالکریم اشمونی	
اوائل الندیٰ المختصر من منار الہدیٰ فی بیان الوقف والابتداء	عبداللہ بن مسعود مصری	[م ۱۱۴۷ھ]
کنوز الطاف البرہان فی رموز اوقاف القرآن	محمد بن صادق الہندی	[م ۱۲۹۰ھ]
تحفۃ من اراد الاہتداء فی معرفۃ الوقف والابتداء	حسین الجوہری	

قادر مطلق پروردگار ہی کو صحیح علم ہے کہ علم وقف وابتداء کے موضوع پر کس نے کتنا کام کیا ہے۔ زیر نظر فہرست صرف ان ائمہ فن، علماے اوقاف اور قراے کرام کی ہے جن کی تالیفات کا ہمیں علم ہوسکا۔ بہر حال اس تفصیل سے یہ حقیقت بے غبار ہو جاتی ہے کہ ہر دور میں علما و قراء نے اس فن سے خصوصی اعتناء برتا ہے، اس کے اہتمام میں سعی تمام فرمائی ہے۔ اور اسے برتنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں فرمایا ہے۔

وقف کی لغوی تعریف : وقف کا لغوی معنی یہ ہے کہ الکف عن الفعل و القول کسی کام کے کرنے یا کسی بات کے کہنے سے رُک جانا۔

وقف کی اصطلاحی تعریف : وقف کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ ھو قطع الصوت مع النفس واسکان المتحرک ان کان متحرکا یعنی (کلمہ کے آخر پر) آواز اور سانس کو بند کردینا اور اگر حرف موقوف علیہ متحرک ہو تو اس کو ساکن کردینا۔

وقف کا موضوع : کلمہ اور کلام ہے۔ اس لیے کہ کیفیت وقف کی حیثیت سے یہ آخر کلمہ سے متعلق ہوتا ہے، اور بحیثیت محل وقف اس کا تعلق کلام سے ہوتا ہے۔

وقف کی غرض و غایت : صحت وقف اور وضاحت کلام ہے۔

فصل دوم

وقف اور متعلقات وقف کے بیان میں

جن چیزوں سے قاری کو دورانِ تلاوت واسطہ پڑتا ہے، ان کو ملحقات قراءت کہتے ہیں، یہ سات ہیں: (۱) وقف (۲) سکتہ (۳) سکوت (۴) قطع (۵) ابتداء (۶) اعادہ (۷) وصل۔

وقف کے لیے دو چیزوں کا جاننا ضروری ہے۔ (۱) کیفیت وقف (۲) محل وقف۔

کیفیت وقف کی مشہور و معروف چار صورتیں ہیں: (۱) کیفیت وقف بلحاظ ادا (۲) کیفیت وقف بلحاظ اصل (۳) کیفیت وقف بلحاظ رسم (۴) کیفیت وقف بلحاظ وصل۔

کیفیت وقف بلحاظِ ادا

یعنی ادا کے اعتبار سے حرف موقوف علیہ پر وقف کرنے کی کیفیت کیا ہوگی، اس کی چار صورتیں ہیں: (۱) اسکان (۲) اشمام (۳) روم (۴) ابدال

وقف بالاسکان : اِسکان باب افعال کا مصدر ہے جس کے لغوی معنی ہیں: آرام دینا، حرف کو بے حرکت کر دینا۔ اور اصطلاحی معنی: وقف کرتے ہوئے آخری حرف کو اس طرح کامل طور پر ساکن [1] کرنا کہ حرکت کی بو تک باقی نہ رہے اور اشمام وغیرہ کسی قسم کا اشارہ نہ ہو۔ یہ وقف تینوں حرکات زبر، زیر، پیش میں ہوتا ہے، خواہ حرکت اصلی ہو یا عارضی۔

وقف بالاشمام : اشمام باب افعال کا مصدر ہے جس کے لغوی معنی ہیں سونگھنا سونگھانا، جس طرح سونگھنے سونگھانے میں آواز نہیں ہوتی اسی طرح اشمام میں بھی آواز نہیں ہوتی۔ اور اصطلاحی معنی: حرف موقوف علیہ کی پیش والی حرکت کو ساکن کر کے ہونٹوں سے پیش کی جانب صرف اشارہ کرنا جس طرح بُیُوت کی با کو ادا کرتے وقت ہونٹوں کی شکل ہو جاتی ہے۔ یہ وقف حرف موقوف علیہ پیش میں ہوتا ہے جب کہ پیش اصلی ہو۔ چونکہ اشمام میں آواز بالکل نہیں ہوتی اس لیے اس کو نابینا نہیں معلوم کر سکتا۔

---

(۱) **وقف میں سکون اصل ہے** : کیوں کہ وقف راحت کے لیے ہوتا ہے، اور وہ کامل سکون ہی میں ہے، اس لیے کہ اس میں حرکت کی طرف ذرا بھی اشارہ نہیں کرنا پڑتا، نیز یہ تینوں حرکتوں میں جاری ہے، اور نقلاً بھی سب سے ثابت ہے، اس کے علاوہ وقف' ابتداء کی ضد ہے اور ابتداء میں حرکت ہوتی ہے تو اس کی ضد یعنی وقف میں سکون ہونا چاہیے۔

وقف بالرَّوْم : رَومٌ قَول کی طرح مصدر ہے جس کے لغوی معنی ہیں: ارادہ کرنا، چاہنا وغیرہ اور چونکہ روم والی کیفیت سکون کی طرح آسانی سے خود بخود ادا نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے ارادہ اور اہتمام کرنا پڑتا ہے اس لیے اہل فن نے یہ نام اختیار کیا ہے، اور اسی طرح تمام اصطلاحات میں غور کرنے سے لغوی مناسبت معلوم ہو جائے گی ۔ اصطلاحی معنی : حرف موقوف علیہ کی حرکت کو اتنا ہلکا اور خفیف پڑھنا کہ صرف قریب والا اس کی حرکت جان سکے ، یہ وقف حرف موقوف علیہ پیش اور زیر کی حرکت میں جائز ہے جب کہ حرکت اصلی ہو۔ روم کا فائدہ یہ ہے کہ سننے والے کو آخری حرف کی حرکت معلوم ہو جاتی ہے۔

تنبیہ : فتحہ ونصب (۱) سکون اصلی (۲) حرکت عارضی (۳) میم جمع (۴)

---

(۱) فتحہ چوں کہ اخف الحرکات ہیں، اور حصوں پر تقسیم نہیں ہو سکتے ، اس لیے ان میں روم واشمام جائز نہیں۔

(۲) سکون حرکت کی ضد ہے۔ اس لیے اس میں روم واشمام جائز نہیں۔ جیسے وَ لَقَدْ ، اَمَّنْ ، فَلَا تَكْفُرْ وغیرہ۔

(۳) عارضی حرکت میں روم واشمام جائز نہ ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اصل میں وہ حرف ساکن ہے، حرکت محض عارض ہوتی ہے، اور وقف میں بھی اصل اسکان ہے جیسا کہ علامہ شاطبی فرماتے ہیں :

والاسكان اصل الوقف وهو اشتقاقه ☆ من الوقف عن تحريك حرف تعزّلا

اس لیے اصلی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے اصل وقف کو اختیار کیا گیا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حرکت عارضی اجتماع ساکنین کی وجہ سے ہے اور جب پہلے کلمہ پر وقف کر دیا تو اجتماع ساکنین ہوگا ہی نہیں لہٰذا حرکت پڑھنے کی کوئی وجہ جواز نہیں ہے۔ ۱۲ منہ

(۴) جو ساکن ہو جیسے عليهمْ ، لهمْ ، بهمْ وغیرہ، اور خواہ مضموم ہو جیسے همُ الظّٰلِمُون ، انتمُ الاعْلَون ، بكمُ اليسر وغیرہ، ان دونوں صورتوں میں گو جمع کا میم اصل کے اعتبار سے ساکن نہیں بلکہ مضموم ہے لیکن اہل ادا وقفاً اس کے سکون کو لازمی سمجھتے ہیں، اس لحاظ سے یہ بھی سکون اصلی کے حکم میں ہے۔ یہاں تک کہ ابراز المعانی میں ہے کہ میم جمع میں صلہ کرنے والوں کے لیے بھی روم واشمام درست نہیں، کیوں کہ یہ میم ساکن ہی ہے اور اس پر حرکت صلہ کی وجہ سے آجاتی ہے، اسی لیے جب اس پر وقف کرتے ہیں تو صلہ حذف ہو کر میم اصل کی طرف لوٹ آتی ہے یعنی ساکن ہو جاتی ہے۔ ۱۲ منہ

ہائے تانیث [1] اور ہائے سکتہ [2] میں روم واشمام جائز نہیں۔

وقف بِالابْدَال : ابدال بھی باب افعال کا مصدر ہے۔لغت میں کسی چیز کے بدلنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں حرف موقوف علیہ کو بدل کر پڑھنا ، یہ دو صورتوں میں پایا جاتا ہے،ایک یہ کہ موقوف علیہ پر دوزبر ہوں جیسے شیئاً وغیرہ۔دوسرے یہ کہ موقوف علیہ تائے مدورہ ہو جیسے رحمۃٌ وغیرہ۔پس پہلی صورت میں دوزبر کو الف سے اور دوسری صورت میں تائے مدورہ کو ہائے ساکنہ سے بدلا جائے جیسے شیئاً سے شیئا، رحمۃٌ سے رحمہ وغیرہ۔

کیفیت وقف بلحاظ اصل

یعنی اصل کے اعتبار سے حرف موقوف علیہ پر وقف کرنے کی کیا کیفیت ہوگی ، اس کی بھی چار صورتیں ہیں: (۱) وقف بالسکون (۲) وقف بالتشدید (۳) وقف بالاظہار (۴) وقف بالاثبات۔

وقف بالسکون : سکون باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے دخول،خروج کی طرح مصدر ہے یعنی لغوی معنیٰ ہیں ٹھہرنا،آرام لینا اور اصطلاحاً یہ معنیٰ ہیں کہ حرف کا بغیر

---

(۱) اس میں روم واشمام اس لیے جائز نہیں کہ حرکت تو تا پر تھی اور وہ بھی وصل میں تھی ، رہی ہا جو تا سے بدلی ہے سو وہ ساکن محض ہے، کیوں کہ یہ اس وقتی حالت میں تا کا عوض بنتی ہے جس میں حرکات معدوم ہو جایا کرتی ہیں پس جب خود تا پر ہی حرکت نہیں رہی تھی تو ہا پر کہاں سے آتی۔ رہی دراز تا تو اس پر رسم کے سبب تا سے وقف ہوتا ہے یعنی حالت وقف میں بھی تا ہی رہتی ہے، اس لیے اس میں روم واشمام دونوں درست ہیں، کیوں کہ اس میں حرکت خود تا پر آتی ہے نہ کہ ہا پر۔

(۲) سکتہ کی ہا میں صرف وقف بالسکون ہوگا کیوں کہ اس کا سکون اصلی ہے، اسی بنا پر یہ وقف و وصل دونوں حالتوں میں ساکن ہی پڑھی جاتی ہے، لہٰذا روم واشمام کرنے کا کوئی مطلب ہی نہیں۔ (تلخیص از: معلم الاداء فی الوقف والابتداء:۶۹ تا ۷۱)

حرکت کے ہونا، حرف کا جزم والا ہونا۔ یہاں یہ مراد ہے کہ ایسی جگہ وقف کرنا جہاں حرف موقوف علیہ اصل کی رو سے یعنی پہلے ہی سے ساکن ہو۔ جیسے **فلا تقھرْ** وغیرہ اس پر وقف کرنے کے لیے صرف سانس اور آواز توڑنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس میں حرکت نہ ہونے کی وجہ سے روم واشمام نہیں ہوں گے۔

وقف بالتشدید : تشدید[1] باب تفعیل کا مصدر ہے، جس کے لغوی معنی ہیں قوی کرنا، مضبوط کرنا، تقویت پہنچانا اور کسنا وغیرہ اور اصطلاح میں کہتے ہیں تشدید لگانا یعنی حرف کو مشدد پڑھنا۔ جیسے **وتبَّ** حرف مشدد دو حرفوں سے مرکب ہوتا ہے، پہلا ساکن اور دوسرا متحرک۔ اور اسی بنا پر اس میں دو حرفوں کے برابر تاخیر لگانا ضروری ہے، (اس کو قرار تراخی کہتے ہیں) ورنہ مخفف ہو کر لحن جلی لازم آئے گا، جو صریح تحریف ہے۔

وقف بالاظہار : اظہار باب افعال کا مصدر ہے، جس کے لغوی معنی ہیں ظاہر کرنا اور اصطلاحاً یہ معنی ہیں کہ وقف بالاظہار کے ذریعہ آخری حرف کی اصلی حالت ظاہر ہو جاتی ہے۔ مثلاً وصل کے ذریعہ دو کلموں کے ملنے سے کوئی ایسا حکم مرتب ہو رہا ہو جیسے ادغام کی تینوں قسموں یعنی اجتماع مثلین، اجتماع متجانسین، اجتماع متقاربین کی وجہ سے پہلا حرف مدغم ہوتا ہے، عام ہے کہ ادغام تام ہو یا

---

(۱) تشدید دو طرح کی ہوتی ہے: (۱) تشدید اصلی (۲) تشدید ادغامی (فرعی) -- تشدید اصلی: جو کہ کلمہ کی ساخت اور اس کی بناوٹ میں شروع سے ہوتی ہے جیسے انَّ، ثمَّ، عدوٌّ، عفوٌّ وغیرہ کلمات میں ہے۔ تشدید ادغامی: جیسے من لّدنہ، یلھث ذّالک وغیرہ کلمات میں ادغام کی وجہ سے ہے۔ اگر ان مثالوں میں پہلے کلمہ پر وقف کیا جائے تو تشدید ختم ہو جائے گی، اور مشدد اصلی کی تشدید وقف میں بھی باقی رہتی ہے، اور اسی لیے اس کو وقف بالتشدید کہتے ہیں۔ اور وقف بالسکون کی طرح یہ بھی اصل ہے، اور وقف بالروم میں تنوین تو ختم ہو جائے گی لیکن تشدید باقی رہے گی۔ ۱۲ منہ

ناقص، اور نون ساکن وتنوین کے بعد با کے آنے سے نون ساکن وتنوین کا میم سے اقلاب ہوتا ہے ایسے ہی ان دونوں کے بعد حروف اخفا میں سے کوئی حرف آجائے تو اخفا ہوتا ہے ایسے موقعوں پر پہلے کلمہ پر وقف کرنے سے نہ ادغام ہوگا اور نہ اقلاب اور نہ اخفا۔ اس طرح وقف کی وجہ سے پہلے حرف کی اصل حالت ظاہر ہو جاتی ہے اور چوں کہ اظہار حرف کی اصلی حالت کو کہتے ہیں جس کے لیے کسی سبب کی ضرورت نہیں اس لیے وقف بالاظہار اصل ہے۔

وقف بالاثبات : اثبات بھی باب افعال کا مصدر ہے، جس کے لغوی معنی ہیں ثابت کرنا، قائم کرنا، اور اصطلاحاً یہ مراد ہے کہ کلمہ کا آخری حرف مد جو وصلاً کسی وجہ سے نہیں پڑھا جاتا وہ وقف میں پڑھا جائے گا، ایسے ہی وہ حرف مد اور الف کی صورت والا ہمزہ جو تماثل فی الرسم کی وجہ سے محذوف الرسم ہوتے ہیں یہ دونوں بھی وقف میں ثابت رہیں گے، اس کی دو صورتیں ہیں : (۱) وہ حرف مد جو وصلا اجتماع ساکنین کی وجہ سے نہیں پڑھا جاتا جیسے **وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ** میں لام کے بعد الف۔ **وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ** میں لام کے بعد واؤ۔ **وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ** میں قاف کے بعد یا، یہ وصل میں تو نہیں پڑھے جاتے لیکن وقف میں یہ سب ثابت رہیں گے، اور پڑھے جائیں گے۔ (۲) جو الف، واؤ، یا مدہ ہوں خواہ متحرک اور تماثل فی الرسم کی وجہ سے غیر مرسوم ہوں، تو جس طرح وہ غیر مرسوم ہونے کے باوجود وصل میں پڑھے جاتے ہیں اسی طرح وقف میں بھی ثابت رہیں گے، اور پڑھے جائیں گے اور غیر مرسوم ہونے کی وجہ سے محذوف ہوں گے اور ہمزہ کا بھی یہی حکم ہے، پس **فَيَسْتَحْيِ** اور **لَا يَسْتَحْيِ** وغیرہ کے آخر میں دو یا ہیں۔ ایک مرسوم اور دوسری غیر مرسوم۔ **اِنَّ وَلِيِّۦَ اللّٰهُ** (اعراف) میں تین یا ہیں، پہلی ساکن،

دوسری مکسور، تیسری مفتوح۔ ان میں سے مرسوم صرف ایک ہے اور باقی دو غیر مرسوم۔ اور اس موقع میں قرآن کے اندر جو ایک چھوٹی سی یا علاحدہ لکھی جاتی ہے، عام لوگ اس کو یا مرسوم سمجھتے ہیں جو صحیح نہیں، اور درست یہ ہے کہ جس طرح حرکات وسکنات اور نُقط رسم سے خارج ہیں، اور بعد میں وضع کیے گئے ہیں اسی طرح یہ یا بھی رسم سے خارج ہے، صرف آسانی کی غرض سے علاحدہ لکھ دی جاتی ہے، وَ اِنْ تَلْوٗا (نساء) اور فَاْوٗا (کہف) میں ہیں تو دو واوٗ مگر مرسوم صرف ایک ہے۔ لِیَسُوْٓءٗا (اسراء) میں سین کے بعد واوٗ مدہ ہے، اس طرح واوٗ کی شکل میں تین حرف پے در پے جمع ہو گئے، ان میں تماثل فی الرسم کی بنا پر صرف ایک واوٗ مرسوم ہے باقی دو غیر مرسوم...... فَلَمَّا تَرَاءَا الْجَمْعٰنِ (شعراء)...... اَلسَّمَاءِ، مِنْ مَّاءٍ ، مَاءً مُّبٰرَكًا جیسے کلمات میں ہمزۂ متطرفہ متحرکہ الف کے بعد واقع ہوا ہے، پہلی دو مثالوں میں قاعدہ کی رو سے الف کے بعد والا ہمزہ الف کی شکل میں مرسوم ہونا چاہیے، اس طرح دو الف جمع ہوں گے، اور تیسری مثال میں الف کے بعد ہمزہ والا الف پھر نصبی تنوین والا ایک اور الف۔ اس طرح تین الف جمع ہو گئے، لیکن تماثل فی الرسم کی وجہ سے صرف ایک الف، ایک یا، اور ایک واوٗ مرسوم ہوں گے، اور باقی سب محذوف الرسم ہوں گے۔ اور عین کا سرا جو ہمزہ کے نام سے مشہور ہے، وہ محض محذوف الرسم ہمزہ کی علامت ہے، جو تلاوت اور تعلیمی سہولت کی خاطر وضع کیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان تمام کلمات اور ان جیسے دوسرے کلمات میں غیر مرسوم حروف جس طرح وصلاً پڑھے جاتے ہیں، اسی طرح وقف میں بھی پڑھے جائیں گے، ان کو وقف بالاثبات کہتے ہیں، اور یہ وقف رسم کے خلاف ہوتا ہے۔

کیفیت وقف بلحاظ وصل و رسم

یعنی وصل اور لکھاوٹ کے اعتبار سے وقف کی کیفیت۔ ان کی بھی چار ہی صورتیں ہیں: (۱) وقف موافق رسم، موافق وصل (۲) وقف مخالف رسم، مخالف وصل (۳) وقف موافق رسم، مخالف وصل (۴) وقف مخالف رسم، موافق وصل۔

وقف موافق رسم، موافق وصل : یعنی وقف، رسم و وصل دونوں کے مطابق ہو، وقف کی یہی صورت اکثر ہے جیسے کِتَابِیَهْ ، یَعْلَمُوْنَ وغیرہ۔

وقف مخالف رسم، مخالف وصل : یعنی وقف رسم و وصل دونوں کے خلاف ہو جیسے عَمَّهْ ، لِمَهْ ، بِمَهْ وغیرہ اس کو وقف بالالحاق بھی کہتے ہیں یہ وقف اگرچہ روایت حفص میں نہیں مگر قراء سبعہ میں سے بزّی علیہ الرحمہ ان کلمات پر آخر میں ہائے سکتہ بڑھا کر وقف کرتے ہیں۔

وقف موافق رسم، مخالف وصل : یعنی وقف، رسم کے مطابق اور وصل کے مخالف ہو، ایسے سات کلمات جن میں وقف وصل کے خلاف اور رسم کے موافق ہوتا ہے۔ (۱) اَنَا واحد متکلم کی ضمیر (قرآن میں جہاں بھی آئے) (۲) لٰکِنَّا (کہف) (۳) اَلظُّنُوْنَا (احزاب) (۴) اَلرَّسُوْلَا (احزاب) (۵) اَلسَّبِیْلَا (احزاب) (۶) سَلٰسِلَا (دہر) (۷) پہلا قَوَارِیْرَا (دہر) ان کے آخر میں جو الف مرسوم ہے یہ صرف وقف میں پڑھا جائے گا، البتہ صرف سلٰسلا میں الف کے بغیر بھی وقف جائز ہے، اس صورت میں یہاں وقف موافق وصل مخالف رسم بھی ہوگا۔

وقف مخالف رسم، موافق وصل: یعنی وقف، رسم کے خلاف اور

وصل کے مطابق ہو، ایسے کل نو کلمات ہیں جن میں روایت حفص کے مطابق وقف، وصل کے موافق اور رسم کے خلاف ہوگا۔ (۱) اَوْ یَعْفُوَا (بقرہ) (۲) اَنْ تَبُوْٓءَا (مائدہ) (۳) لِتَتْلُوَا (احزاب) (۴) لَنْ نَّدْعُوَا (رعد) (۵) لِیَرْبُوَا (محمد) (۶) لِیَبْلُوَا (روم) (۷) وَنَبْلُوَا (محمد) (۸) دوسرا قَوَارِیْرَا (دہر) (۹) ثَمُوْدَا جو الف کے ساتھ مرسوم ہے، اور یہ صرف چار جگہ ہے (ہود، فرقان، عنکبوت، نجم) ان میں سے پہلے سات کلمات کو سب ہی نے بغیر الف کے پڑھا ہے، اس لیے ان میں سب ہی کے لیے وقف، وصل کے موافق اور رسم کے خلاف ہوگا۔

فائدہ : جو الف خلاف قراءت مرسوم ہو وہ وصلاً، وقفاً محذوف ہوگا مثل ثَمُوْدَاْ اور لِیَرْبُوَاْ وغیرہ۔ ایسے کلمات پر بھی وقف مخالف رسم اور موافق وصل ہوگا۔

فائدہ : دو لفظ، ایک سَلٰسِلَاْ سورۂ دہر میں۔ دوسرا فَمَآ اٰتٰنِ ۦَ اللّٰهُ [1] سورۂ نمل میں ان دونوں جگہوں میں حفص کے لیے بحالت وقف اثبات الف و یا اور حذف الف و یا دونوں جائز ہیں۔ اس لیے اثبات الف کی صورت میں یہ وقف موافق رسم مخالف وصل ہوگا اور حذفِ الف میں مخالف رسم موافق وصل ہو جائے گا اور حذف یا کی صورت میں وقف موافق رسم مخالف وصل ہوگا اور اثباتِ یا کی صورت میں مخالف رسم موافق وصل ہوگا۔

---

(۱) فمآ اٰتٰنِ ۦَ کی یا میں دو قراءتیں ہیں سکون یا اور فتحۂ یا اور سکون کی صورت میں اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدہٖ کی وجہ سے وصلاً بھی یا محذوف ہوگی اور غیر مرسوم ہونے کی بنا پر وقفاً بھی محذوف ہوگی اور فتحۂ یا کی صورت میں وصل میں تو ظاہر ہے کہ یا ثابت رہے گی اور وقف میں دو وجہیں ہیں یعنی اثبات و حذف، حذف کی وجہ غیر مرسوم ہونا ہے اور اثبات کی وجہ یہ ہے کہ یا کو ثابت رکھ کر یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ بحالت وصل روایت حفص میں یہ یا ساکن نہیں بلکہ مفتوح پڑھی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۲ منہ

تنبیہ: وقف اگرچہ رسم خط کے تابع ہے لیکن جن کلمات کی رسم قراءت وروایت سے ثابت نہ ہوان پر وقف بمطابق رسم جائز نہیں، جیسے قواریرا ثانی اور ان تبوء اْ وغیرہ

وقف بلحاظ تلاوت و تعلیم و تعلُّم

وقف کی بلحاظ تلاوت وتعلیم وتعلم چار قسمیں ہیں: (۱) وقف اختیاری (۲) وقف اضطراری (۳) وقف اختباری (۴) وقف انتظاری۔

وقف اِختیَاری: جو وقف قصداً، عمداً اور ارادۃً ایسی جگہ کیا جائے جہاں کلام لفظاً ومعناً پورا ہو، یعنی وقف تام کے موقع پر ـــــ اور حدیث کی رو سے وقف کافی پر بھی وقف اختیاری ہوسکتا ہے اور جائز ہے کیوں کہ اس کے بعد ابتدا کرنے میں معنوی کوئی قباحت نہیں ـــــ اور سنت کی نیت سے ہر اُس آیت پر بھی وقف اختیاری جائز ہے، خواہ معنی پورے ہورہے ہوں یا نہیں، جیسے سورۃ الجن کی اکثر آیتیں۔ ایسے ہی معوذتین کی درمیانی آیات۔ ہاں ایسی رؤس آیات بھی ہیں جن پر علامت وصل ہے جیسے کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ ۝ اور فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ۝ وغیرہ ایسی آیات کا وصل ہی اولیٰ ہے۔

وقف اِضطِرَاری: جو وقف تنگی نفس یا بوجہِ نسیان غیر ارادی طور پر واقع ہوجائے۔ یہ وقف بھی رسم کی مطابقت کے ساتھ ہر کلمہ کے آخر پر ہوسکتا ہے، لیکن موقوف علیہ پر کوئی علامت وقف ومحل وقف نہ ہوتو فوراً ما قبل سے اعادہ کرنا ضروری ہے۔

وقف اِختبَارِی: جو وقف بغرض تعلیم وتعلم کسی کلمہ پر کیا جائے۔ یہ وقف رسم کی مطابقت کے ساتھ ہر کلمہ مقطوعہ اور ہر کلمہ غیر موصولہ پر ہوسکتا ہے۔

وقف اِنتظَارِی: جو وقف اختلاف قراءت سمجھنے کی غرض سے کیا جائے۔ یہ وقف اختلاف قراءت سمجھنے پر موقوف ہے۔

فصل سوم

محل وقف اور اس کے احکام

محل وقف (یعنی وقف کہاں کیا جائے؟) کی باعتبار قوت وضعفِ معنی چار صورتیں ہیں۔ (۱) تام (۲) کافی (۳) حسن (۴) قبیح۔

وقف تام: جس کلمہ پر وقف کیا ہے اگر اس کو مابعد سے کسی قسم کا تعلق نہ ہو، نہ تعلق لفظی یعنی اعرابی وترکیبی، اور نہ معنوی یعنی جملہ بھی پورا ہو گیا اور مضمون بھی، تو یہ وقف تام کہلاتا ہے۔ جیسے هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وغیرہ کہ اس کو مابعد سے کسی قسم کا تعلق نہیں، نہ لفظی نہ معنوی، کیوں کہ یہاں مومنین کا بیان ختم ہو جاتا ہے اس کے بعد کفار کا ذکر شروع ہو کر عَذَابٌ عَظِيْمٌ پر ختم ہوا۔ اس کے بعد منافقین کا ذکر شروع ہوا اور شَيْءٌ قَدِيْرٌ پر ختم ہوا، پس اَلْمُفْلِحُوْنَ ۝ عَظِيْمٌ ۝ قَدِيْرٌ ۝ پر وقف تام ہے کہ ان کا مابعد سے کسی طرح کا تعلق نہیں۔ یہ وقف عموماً رؤس آیات پر ہوتا ہے اور کبھی رأس آیت سے پہلے بھی ہوتا ہے جیسے وَ جَعَلُوْآ اَعِزَّةَ اَهْلِهَا اَذِلَّةً ۔ اور کبھی وسط آیت میں بھی وقف تام ہوتا ہے جیسے لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَاءَنِيْ اور کبھی رأس آیت کے ایک کلمہ بعد ہوتا ہے جیسے لَمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۝ كَذٰلِكَ اسی طرح وَ اِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ۝ پر رأس آیت ہے مگر وقف تام وَ بِالَّيْلِ ط پر ہے۔

وقف کافی : اگر کلمہ موقوف علیہ کو مابعد سے لفظی یعنی اعرابی وترکیبی تعلق تو نہ ہو البتہ معنوی تعلق ہو یعنی جملہ تو ختم ہو لیکن مضمون ختم نہ ہوا ہو تو ایسے وقف کو وقف کافی کہتے ہیں۔ جیسے بقرہ کے شروع ہی میں ینفقون اور لا یومنون کہ ان دونوں کلموں کو مابعد سے تعلق لفظی تو نہیں البتہ معنوی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وقف کافی کے موقع میں کلام کا اتنا حصہ آچکا ہوتا ہے کہ مابعد سے معنوی تعلق ہونے کے باوجود مستقل ہوتا ہے، اور بعد والا حصہ بھی مستقل کلام رہتا ہے جو ماقبل سے مستغنی ہوتا ہے۔ اس لیے تو وقف تام اور وقف کافی کے بعد ابتدا ہوتی ہے، اعادہ صحیح نہیں۔ یہ وقف بھی آیات اور درمیان آیات پر بکثرت واقع ہوا ہے جیسے مِنْ قَبْلِکَ، عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وغیرہ۔

وقف حسن : اگر کلمہ موقوف علیہ پر جملہ پورا ہو چکا ہو لیکن مابعد سے لفظی ومعنوی تعلق باقی ہو تو یہ وقف 'وقف حسن' کہلاتا ہے، اور یہ وقف تام اور وقف کافی کی طرح رؤس آیات پر بھی ہوتا ہے اور آیتوں کے درمیان میں بھی جیسے بسم اللّٰہ ، الحمدللّٰہ ، ایاک نعبد وغیرہ مگر مابعد سے ابتدا جائز نہیں کیوں کہ وہ ان سے تعلق لفظی رکھتا ہے، اس پر وقف تو کرسکتے ہیں مگر مابعد سے ابتدا کی صلاحیت نہیں لہٰذا اعادہ کرنا ہوگا۔ اگر علامت آیت پر وقف حسن ہو تو ابتدا جائز ہے۔

وقف قبیح : کلمہ موقوف علیہ پر سرے سے جملہ ہی پورا نہ ہو اور مابعد سے لفظی ومعنوی دونوں طرح کا گہرا تعلق بھی ہو، اور کلام غیر مفید وغیر مفہوم ہو کہ مرادی معنیٰ سمجھ میں نہ آئیں تو ایسا وقف 'وقف قبیح' کہلاتا ہے جیسے بسم ، الحمد، مالک، یوم وغیرہ۔ یا کلام تو تام ہو مگر قباحت معنوی پیدا ہو جیسے اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیٖ اور فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ وَاللّٰهُ اور اِنَّ اللّٰهَ لَا

یَھْدِیْ وغیرہ یہ وقف قبیح بلکہ اقبح ہیں۔اوراس پر ٹھہرنا ہرگز جائز نہیں،اوراگر عمداً یا اعتقاداً ایسا وقف کرے تو خوفِ کفر ہے،اگر غفلت کی وجہ سے یا اضطرار نفس سے ایسا ہو تو فوراً اعادہ کرے۔

رؤس آیات پر تمام ائمہ کے نزدیک بلا تامل وقف جائز ہے۔خواہ آیات کا مابعد سے تعلق لفظی ہو یا تعلق معنوی۔ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علامت آیت پر وقف فرماتے تھے۔اوراسی بنا پر ائمہ نے آیات پر وقف سنت قرار دیا ہے۔لہٰذا جولوگ معنوی اور لفظی تعلق کے پیش نظر آیات پر وقف ناجائز وقبیح کہتے ہیں وہ برسرصواب نہیں ہیں اور ایسی ہمت کرتے ہیں کہ سنت پر عامل نہیں۔ والعیاذ باللّٰہ تعالیٰ۔

رمز ھائے اوقاف

قراءت میں اصل وصل ہے،اس لیے اِعراب وحرکات کا اظہار ہوتا ہے،جس سے معانیِ پیہم پر دلالت ہوتی ہے،اور عبارت بھی فصاحت آگیں ہوجاتی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ وقف عوارض میں سے ہے،جو بلا ضرورت اور بے موقع معیوب اور ممنوع ہوا کرتا ہے۔چنانچہ شیخ الاسلام زکریا مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قاری کی مثال مسافر کی سی ہے،اور اوقاف منازل کی مانند ہیں،پس جس طرح مسافر درمیان سفر میں بلاضرورت ٹھہرنا پسند نہیں کرتا اور اسے تضییع اوقات سے تعبیر کرتا ہے اسی طرح قاریِ قرآن کے لیے بھی ہر موقف پر بلاضرورت وقف ناپسندیدہ سمجھا گیا ہے،کیوں کہ تلاوت قرآن خواہ ایک لفظ اور ایک حرف کی ہی کیوں نہ ہو بلاضرورت وقف سے بہتر ہے،لیکن چوں کہ وقف ایک ناگزیر ضرورت ہے،جس سے مفر نہیں،

اس لیے بوقت ضرورت وقف ایسی جگہ کرنا چاہیے جہاں کسی قسم کا معنوی تغیر وفساد یا ایہام معنیٰ غیر مراد لازم نہ آئے، نیز حسن تلاوت میں بھی فرق نہ آنے پائے۔ جس طرح کہ مسافر اَثنائے سفر میں بغرض استراحت کسی ایسی جگہ ٹھہرتا ہے جو سرسبزو شاداب ہو، جہاں کنواں یا چشمہ ہواور سایہ دار درخت وغیرہ ہو یعنی آرام وسکون کا سامان میسر ہو، وہ کسی چٹیل میدان میں قیام پذیر نہیں ہوتا کہ یہ جگہ بجائے راحت کے اس کے لیے وبال جان بن جائے گی۔ اس لیے موقع کی مناسبت کے پیش نظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ابوعبداللہ محمد بن طیفور سجاوندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قواعد عربیت اور معنوی تعلق کا خیال کر کے جو علائم وقوف وضع کیا ہے، اوران کے بعد کے علماے اعلام نے جو رموزِ اوقاف (گوضعیف ہیں) مقرر کیے ہیں انھیں اجمال واختصار کے ساتھ بیان کردیا جائے۔ ان میں 'م'۔ 'ط'۔ 'ج'۔ اوقافِ قویہ ہیں، اوران کے علاوہ بقیہ دیگر علاماتِ اوقاف' ضعیفہ ہیں۔

م : یہ علامت وقفِ لَازِمْ کی ہے اس جگہ کلام وقف ہی کو چاہتا ہے اس وجہ سے یہاں وقف کرنالازم ہے۔

ط : یہ علامت وقفِ مُطْلَقْ کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وقف لازم کے بعد صحیح طور پر وقف کا اطلاق وقف مطلق پر ہی ہوتا ہے پس جہاں علامت [ط] ہو وہ انفصال کلام کو مقتضی ہے۔

ج : یہ وقفِ جَائِزْ کی علامت ہے یعنی وقف مطلق کے بعد [ج] پر وقف کرنے کی صلاحیت ہے اس لیے کہ اس جگہ لفظی تعلق ختم ہو جاتا ہے، اور لفظی تعلق کا نہ ہونا ہی وقف کے لیے اصل محل ہے۔ یہ تینوں علامتیں قویہ ہیں۔

ز : یہ وقفِ مُجَوَّزْ کی علامت ہے یعنی وقف جائز کے بعد اس پر وقف کرنے کی صلاحیت ہے یہ علامت ضعیف ہے۔

ص : یہ وقفِ مُـرَخَّـصُ کی علامت ہے اس جگہ ضرورتِ تنفس کی وجہ سے وقف کرنے کی رخصت دی گئی ہے۔ یہ بھی علامت ضعیف ہے۔

ق : یہ قِیـلَ عَلَیۡہِ الۡوَقۡف کی علامت ہے اس پر وقف کرلیا گیا تو کوئی حرج نہیں لیکن وقف ضعیف ہے۔

ک : یہ علامت کَـذٰلِکَ کی ہے۔ اگر یہ علامتِ وقف کے بعد ہو تو وقف کے حکم میں ہے اور اگر علامتِ وصل کے بعد ہو تو وصل کے حکم میں ہے۔

قِفۡ : یہ صیغۂ امر نہیں بلکہ قَدۡ یُوۡقَفُ کا مخفف ہے۔ اس پر وقف اختیاری بہتر نہیں ہے۔ (بعض قرآن مجید کے آخر میں رموزِ اوقاف کے تحت اسے " قِفۡ " قاف کے زیر کے ساتھ صیغۂ امر بتلایا گیا ہے مگر یہ کسی بھی طور درست معلوم نہیں ہوتا۔)

صَلۡ : یہ قَـدۡ یُـوۡصَـلُ کا مخفف ہے، یہ بھی صیغۂ امر نہیں ہے۔ اس پر بہ نسبت وقف کے وصل پسندیدہ ہے، اور قِفۡ کا مقابل ہے۔ قِف پر وقف راجح ہے اور صل پر وصل راجح ہے۔

صلےٰ : یہ اَلۡـوَصۡلُ اَوۡلیٰ کا مخفف ہے۔ لفظی تعلق کی وجہ سے یہاں وصل ہی کرنا چاہیے۔

لا : یہ لاَ وَقۡفَ عَـلَیۡـہِ کا مخفف ہے اور وقف قبیح کی علامت ہے، اس جگہ باقتضائے اتصال کلام وصل ضروری ہے، اس پر وقف نا جائز ہے۔

قلا : یہ قِیۡلَ لاَ وَقۡفَ عَـلَیۡہِ کا مخفف ہے، اور وقف مختلف فیہ کی علامت ہے۔ یہاں وقف نہ کرنا بہتر ہے، مگر جن کے نزدیک وقف معتبر ہے، ان کے نزدیک اعادہ نہ ہوگا۔

۝لا : اس کو آیت لا کہتے ہیں، اس پر آیت ہونے کی وجہ سے وقف جائز ہے، البتہ محل وقف نہ ہونے کی بنا پر وصل بہتر ہے، لیکن وقف کے بعد اعادہ نہ ہونا چاہیے۔

∴ - ∴ : یہ وقف معانقہ کی علامت ہے۔ قرآن مجید کے حاشیہ پر معانقہ کا مخفف [مَعٓ] لکھا رہتا ہے، اور آیت کے درمیان میں دو جگہ تین تین نقطہ بنا ہوتا ہے جیسے لَارَیۡبَ ∴ فِیۡهِ ∴ هُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ۝ وغیرہ۔ اس کا حکم یہ ہے کہ نہ دونوں جگہ وقف کرنا چاہیے (ورنہ درمیان والا کلمہ بے ربط ہو جائے گا) اور نہ دونوں جگہ وصل (تا کہ تفہیم معنی میں تکلف نہ ہو) بلکہ وصل اول وقف ثانی، یا وقف اول وصل ثانی کرنا چاہیے۔

وَقۡفَه : یہ اَلۡوَقۡفُ مَعَ السَّکۡتُ کا مخفف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جتنی تاخیر وقف میں ہوتی ہے، اتنی ہی تاخیر کے ساتھ سکتہ کیا جائے، حقیقۃً یہ وقف نہیں سکتۂ طویلہ ہے۔ یہ وہیں جائز ہے جہاں وقفہ لکھا ہوا ہو لیکن اصل سکتہ جائز نہیں، اس پر وقف بھی جائز ہے لیکن وقفہ بہتر ہے۔

وَقۡفُ النَّبِی ﷺ : یہ بھی قرآن مجید کے حاشیہ پر لکھا رہتا ہے یہاں وقف مستحب ہے اس لیے کہ درمیانِ آیت میں بھی پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گیارہ جگہوں پر وقف ثابت ہے۔

وقف مُنَزَّلۡ : اس کو وقف جبریل بھی کہتے ہیں، اس پر بھی وقف مستحب ہے۔ نزول قرآن کے وقت حضرت جبرئیل نے جس جگہ وقف کیا ہے وہاں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی وقف فرمایا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہاں وحی منقطع ہوئی ہے۔

وقف غُفۡرَان : یہ بھی قرآن مجید کے حاشیہ پر لکھا رہتا ہے، یہاں وقف سے معنی کی وضاحت ہوتی ہے اور سامع پر بشاشت طاری ہوتی ہے، یہاں وصل سے وقف بہتر ہے۔

وقف کُفۡرَان : یہ حاشیہ پر ایسی جگہ مرسوم ہوتا ہے جہاں وقف کرنے سے خاص

قسم کی قباحت پیدا ہوتی ہے جسے عربی داں ہی بخوبی سمجھ سکتا ہے، بلکہ سامع اگر ایسے معنی کا اعتقاد کرلے تو موجب کفر ہو جائے گا، لہٰذا ایسے موقع پر وقف نہ کرنا چاہیے۔

فائدہ : حرف 'لا' کی رمز کا مطلب ہے کہ **لا یوقف** لیکن اس علامت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہاں وقف ہی نہ کیا جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر یہاں وقف ہو جائے تو ابتدا نہ ہوگی بلکہ اعادہ ہوگا۔ علامہ سجاوندی اور ان کے ہم خیال لوگوں نے عربیت اور معنویت کا خیال رکھا ہے، روایت ونقل کا چنداں لحاظ نہیں کیا کیوں کہ ایسی صورت میں بہت سے مقامات میں چند خرابیاں لازم آئیں گی مثلاً **صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ** پر [لا] لکھا ہے حالانکہ اکثر ائمہ متقدمین کے نزدیک اس پر وقف کافی ہے۔ اسی طرح **هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ** پر [لا] لکھا ہے اس پر بھی وقف کافی ہے۔

اسی طرح علامہ سجاوندی نے **فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ** ، **لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ** ، **اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ** وغیرہ پر [لا] کی رمز متعین کر کے وقف کو منع کیا ہے۔ حالانکہ علامہ دانی کتاب "**الاهتداء فی الوقف والابتداء**" میں وقف تام اور وقف کافی لکھتے ہیں اور سب رؤس آیات ہیں جن پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وقف فرمایا کرتے تھے۔ تفصیل کے لیے 'نشر' و 'منح الفکریہ' وغیرہ دیکھیں۔

واضح رہے کہ لا کی علامت اگر درمیان آیت میں مرسوم ہو تو وہاں وقف قبیح ہوگا اس لیے ماقبل سے اعادہ کیا جائے گا۔ اور اگر یہ علامت آیت کے اوپر ہو تو آیت پر وقف کر سکتے ہیں اور ابتدا ما بعد سے کی جائے گی، اور یہ وقف حسن ہوگا۔

فصل چہارم

سکتہ کی تعریف اور اس کے احکام

سکتہ: سکتہ[1] کے لغوی معنی رکنا، باز رہنا یا خاموش ہو جانا ہے۔ اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ بغیر سانس لیے آواز کو تھوڑی دیر کے لیے بند کر دینا۔

سکتہ کی غرض: جب کلام میں دو متضاد پہلو موجود ہوں تو ظاہر ہے کہ بیک وقت دونوں کا اجتماع مشکل ہوتا ہے اور ایک کی رعایت سے دوسرے کا اہمال لازم آتا ہے لیکن سکتہ ایک ایسی ذوجہتین کیفیت ادا ہے جس میں دونوں کی رعایت ہو جاتی ہے۔

مقدارِ سکتہ: گو سکتہ کے توقف کی مقدار وقف سے کم بتلائی جاتی ہے مگر یہ تقریب فہم کے لیے ہے ورنہ اس کا صحیح اندازہ تو سماع ہی پر موقوف ہے کہ اساتذہ سے جتنی تاخیر منقول و مسموع ہو اسی قدر تاخیر کا نام سکتہ ہے۔

سکتہ کی دو قسمیں ہیں : (۱) سکتۂ لفظی (۲) سکتۂ معنوی

---

(۱) لغتوں میں سکتہ ایک بیماری کا نام بھی بتایا گیا ہے جس میں انسان کی سانس جاری رہتی ہے لیکن دیگر اعضا کی حس و حرکت مرگ کی مانند معطل ہو جاتی ہے، صرف سانس کا جاری ہونا اس کے زندہ ہونے کا پتہ دیتا ہے چونکہ اصطلاحی سکتہ میں بھی آواز بند ہو جاتی ہے جس سے تلاوت بند ہو جانے کا توہم ہوتا ہے مگر سانس کے جاری رہنے سے تلاوت کا جاری رہنا معلوم ہوتا ہے یہی مناسبت ہے سکتہ کے لغوی و اصطلاحی معنی میں۔ ۱۲ منہ۔ عفی عنہ۔

سکتۂ لفظی : اس کو کہتے ہیں کہ حرف صحیح ساکن کے بعد ہمزۂ قطعی ہو۔ خواہ ہمزہ ایک کلمہ میں ہو جیسے اَلْاِنْسَانُ، اَلْاَرْضُ وغیرہ یا دوسرے کلمہ میں ہو جیسے قَدْ اَفْلَحَ ، مَنْ آمَنَ وغیرہ۔

سکتۂ معنوی : جن جگہوں میں انفصال معنی کی وجہ سے بین الکلمتین سکتہ کیا جائے اس کو سکتہ معنوی کہتے ہیں۔

فائدہ : سکتہ لفظی' تلفظ کی سہولت کی خاطر کیا جاتا ہے۔ جب کہ سکتۂ معنوی کی غرض یہ ہوتی ہے کہ معنوی دشواری کو دور کیا جائے۔

سکتہ کا حکم : سکتہ لفظی تو روایت حفص علیہ الرحمہ میں بطریق شاطبی ہے ہی نہیں ، البتہ سکتات معنویہ ہیں جن کی باعتبار حکم دو قسمیں ہیں : (۱) سکتات معنویہ واجبہ (۲) سکتات معنویہ جائزہ۔

سکتات معنویہ واجبہ : یعنی وصلا جن کو ادا کرنا واجب ہو۔ اور امام حفص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت میں بطریق شاطبی چار کلمات پر سکتے واجب ہیں۔ وصلا ان کو نہ ادا کرنا ترک واجب اور کذب فی الروایۃ ہے۔ اور بطریق جزری خلف ہے، یعنی سکتہ اور ترک سکتہ دونوں جائز ہے۔ (۱) سورۂ کہف میں عِوَجًا پر[۱]

---

(۱) **سکتات واجبہ کی تفصیلی غرض:** علامہ جزری اپنی شہرۂ آفاق تصنیف 'النشر' جلد اول میں ان سکتات معنویہ کی غرض تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ﴿عِوَجًا﴾ پر سکتہ سے مقصود یہ بتاتا ہے کہ اس کے بعد کا لفظ ﴿قَيِّمًا﴾ اعراب و ترکیب میں اپنے ماقبل ﴿عِوَجًا﴾ کے ساتھ متصل نہیں ہے یعنی ﴿عِوَجًا﴾ کی صفت نہیں ہے بلکہ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے جس کی تقدیر ﴿انزلہ قیما﴾ ہے پس اب ﴿قیما﴾ اس 'ہٗ' سے حال ہے جو 'انزلہ' میں مقدر ہے۔ گو ﴿عِوَجًا﴾ و ﴿قَيِّمًا﴾ دونوں ﴿الکتٰب﴾ سے متعلق ہیں یہ دلیل وصل ہے مگر چونکہ ﴿عِوَجًا﴾ و ﴿قَيِّمًا﴾ دونوں منصوب ہیں تو وصل سے شبہ ہوسکتا ہے کہ ﴿قَيِّمًا﴾ ﴿عِوَجًا﴾ کی صفت ہے۔ وصل کا اشتباہ مقتضی ہے کہ دونوں میں وصل ہی نہ ہو بلکہ ان میں انفصال ہونا چاہیے اور انفصال دلیل وقف ہے، پس وصل ووقف کے دو متضاد تقاضوں کے جمع ہونے کی صورت میں سکتہ ہی ایک ایسی صورت ادا ہے جس میں وصل ووقف دونوں موجود ہیں اور جس سے اتصال وانفصال برقرار رہتے ہیں۔ ۱۲ منہ۔ عفی عنہ۔

(۲) سورۂ یٰسین میں مِنْ مَّرْقَدِنَا پر[1] (۳) سورۂ قیامہ میں قِیْلَ مَنْ پر (۴) سورۂ مطففین پر کَلَّا بَلْ پر[2]۔

فائدہ : پہلی دونوں جگہوں [عوجا اور من مرقدنا] میں آیت ہونے کی وجہ سے سکتہ سے بہتر وقف ہے۔ اور چوں کہ سکتہ بحالت وصل ہے اس لیے وقف میں سکتہ نہ کرنے کی وجہ سے روایت حفص کا ترک لازم نہیں آئے گا۔ اور وقف اولیٰ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سکتہ سے مقصود اس التباس کو دور کرنا ہے جو وصل بلا سکتہ سے پیدا ہوتا ہے اور وقف میں چوں کہ یہ التباس بدرجۂ اتم دور ہو جاتا ہے اس لیے وقف ٔ سکتہ سے بہتر و اولیٰ ہے۔

---

(۱) ﴿ من مرقدنا هذا ﴾ یعنی اسی طرح یہ پوری آیت ﴿ مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴾ (مکالماتی انداز میں) یوم قیامت سے متعلق ہے۔ اس اعتبار سے ان میں اتصال ہے جو متقاضی وصل ہے مگر پھر بصورت وصل ﴿مَرْقَدِنَا﴾ کے ﴿هٰذا﴾ سے ملانے سے اندیشہ ہے کہ کوئی ﴿هٰذا﴾ کا مشارٌ الیہ ﴿مَرْقَدِنَا﴾ کو نہ سمجھ بیٹھے کیوں کہ یہ صریح مغالطہ اور مراد خداوندی کے خلاف ہے، گویا اس کو بھی کلام کفار کا ایک جزو قرار دے دیا حالانکہ یہ کلام یا تو فرشتوں کا ہے یا صالح مومنین کا۔ معلوم ہوا کہ دونوں کے قائل علاحدہ علاحدہ ہیں لہٰذا وقف ہونا چاہیے۔ الغرض یہاں بھی دو متضاد تقاضے جمع ہوئے جن کا حل سکتہ ہی ہے۔ ۱۲ منہ۔ عفی عنہ۔

(۲) ﴿مَنْ رَاق﴾ ﴿بَلْ رَان﴾ ظاہر ہے کہ اول میں 'من' اور ثانی میں 'بل' معنوی اعتبار سے اپنے مابعد سے متعلق ہے لہٰذا وصل ہونا چاہیے مگر وصل یعنی ادغام میں 'مَن' کے نون کا را میں اور اسی طرح 'بل' کے لام کا را میں ادغام کرنا ہوگا جس کی وجہ سے ﴿مَنْ رَاق﴾ 'مرّاق' ہوکر (فعّال کے وزن پر) 'مارق' کے صیغۂ مبالغہ کے ساتھ التباس ہوگا، اور یوں ہی ﴿بل ران﴾ 'برّان' ہوکر 'برّ' کے تثنیہ ہونے کا وہم ہوگا جو خلاف حقیقت ہے کہ دونوں الگ الگ لفظ ہیں، اس مغالطہ کا تقاضا ہے کہ فصل یعنی اظہار کیا جائے، اس طرح ان دو مواقع میں دو متضاد تقاضے جمع ہوئے لہٰذا اب سکتہ ہی ایک ایسی صورت ہے جس میں دونوں کی رعایت ہو جاتی ہے۔ نیز سکتہ سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ علت ادغام جہاں بھی موجود ہو ادغام ہی ہونا چاہیے، یہ ضروری نہیں ہے بلکہ یہ ادغام روایت پر موقوف ہے چنانچہ یہاں روایۃً ادغام نہ ہونے کی وجہ سے ادغام نہیں ہوا۔ ۱۲ منہ۔ عفی عنہ۔

سکتات معنویہ جائزہ : رؤوس آیات (گول دائروں) پر کے سکتات ہیں جو ہر روایت میں جائز ہیں نیز وہ چار سکتے بھی جو ائمہ وقف سے منقول ہیں اور قرآن کریم میں مرسوم ہیں (جن کی تفصیل آگے آرہی ہے)

فائدہ : سورۂ انفال اور سورۂ براءت کے مابین تمام قراء کے لیے تین وجہیں ہیں: وصل، وقف، سکتہ۔ یہ تیسری وجہ سکتہ بھی سکتۂ معنوی ہے۔ سکتے کی ادا کا جواز یا وجوب سماع اور نقل کے ساتھ مقید ہے، لہٰذا یہ صرف اسی جگہ جائز ہوگا جہاں روایت سے ثابت ہو کیوں کہ سکتہ ایک مقصود بالذات طریق ادا ہے، جس کے لیے روایت سے ثبوت ضروری ہے ورنہ ادا معتبر نہ ہوگی۔

فائدہ : درمیان آیت میں جو سکتے مرسوم ہیں یہ علامہ سجاوندی کے نزدیک ہیں ان کا حکم تمام قراء کے لیے یکساں ہے۔ اور وہ چار ہیں: سورۂ اعراف میں دو جگہ ایک ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا پر۔ دوسرے اَوَ لَمْ یَتَفَکَّرُوْا پر۔ تیسرے سورۂ یوسف میں اَعْرِضْ عَنْ ھٰذَا پر۔ اور چوتھے سورۂ قصص میں یُصْدِرَ الرِّعَآءُ پر۔ یہ سکتے بھی معنوی ہیں مگر یہ سکتہ اصطلاحی نہیں ان کو روایۃً نہیں کرنا چاہیے تاکہ کذب فی الروایت نہ لازم آئے یہاں متقدمین کے نزدیک سکتہ بمعنی وقف ہے۔ آیات پر سکتہ لغرض الاعلان جائز ہے لہٰذا ان کو روایۃً کرنا یا کسی آیت پر کرنا اور کسی پر نہ کرنا جائز نہیں۔

فائدہ : سکتۂ معنوی کا حکم یہ ہے کہ جس کلمہ پر سکتہ کیا جائے تو یہ وقف کے حکم میں ہوگا لہٰذا سکتہ معنوی کے بعد صفاتِ عارضہ جو کسی حرف کے ملنے سے پیدا ہوں گی وہ مثل وقف کے ادا نہ ہوں گی جیسے مد، اخفا، اور ادغام وغیرہ۔ اسی طرح سکتۂ لفظی وصل کے حکم میں ہے جیسے امام حفص کے طریق جزری کے لیے حرفِ صحیح ساکن پر سکتہ کیا جائے مثلاً مریضاً اَوْ میں تو تنوین کو الف سے نہ بدلا جائے۔

فائدہ : سکتہ میں دو چیزوں کا جاننا ضروری ہے۔ اول کیفیت سکتہ۔ دوم محل سکتہ۔ کیفیت سکتہ: یعنی سکتہ کرتے وقت متحرک کو ساکن کرنا چاہیے اور دوزبر ہوں تو الف سے بدل دینا چاہیے، گویا کیفیت سکتہ کیفیت وقف کے حکم میں ہے۔ محل سکتہ: یعنی سکتہ کرنے کی جگہ' یہ چار ہیں جو بطریق شاطبی ہیں ان کا بیان اوپر مذکور ہوا۔

فصل پنجم

سکوت کی تعریف اور اس کے احکام

سکوت : سکوت کے لغوی معنی چپ رہنا، خاموش ہونا ہے اور اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ دورانِ تلاوت قرآن سے متعلق کسی ضرورت سے ٹھہرنا، اگرچہ توقف کچھ زیادہ ہی کیوں نہ ہو جائے، خواہ اختیاری ہو یا غیر اختیاری، شرط یہ ہے کہ قراءت جاری رکھنے کا ارادہ ہو۔

اس میں دو باتوں کا لحاظ ضروری ہے اول کیفیت سکوت یعنی سکوت کس طرح کرنا چاہیے، یہ کیفیت وقف کے مثل ہے۔ دوم محل سکوت یہ ہمیشہ آیت پر اور محل وقف یعنی اوقاف قویہ پر ہونا چاہیے اور درمیانِ آیت میں یا وقف قبیح پر جائز نہیں۔ البتہ تعلیم و تعلّم کی غرض سے جائز ہے۔

سکوت ہر اعتبار سے وقف کے حکم میں ہے یہی وجہ ہے کہ سکوت کے بعد تَعَوُّذ کی ضرورت نہیں۔ سکوت میں وقف سے زیادہ دیری ہوتی ہے اس لیے اس کی تاخیر کی حد متعین کرنا مشکل ہے لیکن طویل سکوت مناسب نہیں۔ سکوت سے قراءت افضل ہے۔

سکوت کے لیے یہ شرط ہے کہ ابتدا اور ارادۂ قراءت ہو یعنی ذہن قرآن سے ہٹ کر کسی اور طرف نہ لگ جائے ورنہ سکوت نہ ہوگا کیوں کہ سکوت کے بعد ابتدا نہ کی گئی، یا ارادۂ قراءت منقطع ہوگیا تو یہ قطع ہو جائے گا۔ سکوت کے بعد ابتدا کرتے وقت استعاذہ کی حاجت نہیں رہتی۔

سکوت کی شکلیں: کھانسی وغیرہ کی وجہ سے توقف کا زیادہ ہونا۔ اس انداز میں معانی یا تفسیر بیان کرنا کہ جس میں وعظ کی صورت نہ ہو۔ قراءت سے متعلق مسئلہ بیان کرنا یا پوچھنا۔ مشق کرنے میں توقف کا ہونا۔ اور تعلیمی غرض سے حلقہ کی شکل میں پڑھنے کے لیے باری کا انتظار کرنا وغیرہ۔

فائدہ: سکوت کی حالت میں انتشارِ ذہنی ہو یا منافی قراءت لازم آئے۔ مثلاً سجدۂ تلاوت یا کلام اجنبی ہو تو ان سب صورتوں میں سکوت کا حکم ساقط ہو جائے گا لہٰذا اب ابتدا کرتے وقت استعاذہ ضروری ہے۔

فصل ششم

قطع کی تعریف اور اس کے احکام

قطع : قطع کے لغوی معنی ہیں کاٹنا، توڑنا، جدا کرنا اور اصطلاحاً یہ معنی ہیں کہ قراءت کو ختم کرنے کے ارادہ سے ٹھہرنا۔ پس اگر ٹھہرنے کے بعد آگے بڑھنے کا ارادہ ہو تب تو یہ ٹھہرنا وقف کہلاتا ہے، اور اگر ٹھہرنے کے بعد آگے بڑھنے کا ارادہ نہیں تو اس کو قطع کہیں گے۔ مثلاً قراءت شروع کی، چلتے چلتے جہاں قراءت ختم ہوئی وہ تو ہے قطع، اور اس سے پہلے جہاں جہاں ٹھہرنا ہوا وہ ہے وقف، اور چونکہ قطع بھی وقف کی ایک قسم ہے اس لیے یہ بھی جملہ احکام میں وقف کی مانند ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں:
(۱) قطع حقیقی (۲) قطع اتفاقی۔

قطع حقیقی : یعنی جس قدر تلاوت کا قصد کر لیا گیا، اس کے پورا کر لینے پر پھر نہ پڑھنا اس کو قطع حقیقی کہتے ہیں۔

قطع اتفاقی : اثنائے قراءت میں قطع ہو تو اس کو قطع اتفاقی کہتے ہیں۔

قطع حقیقی کے محل جزوِ کامل ہیں۔ مثلاً ختم رکوع یا ختم سورہ یا ختم پارہ ہو اور قطع اتفاقی کے محل آیات اور رکوع ہیں۔ درمیان آیت یا علامت وقف پر قطع حقیقی اور اتفاقی دونوں ناجائز ہیں۔

فائدہ : قطع قراءت کے لیے قطع ارادہ ضروری ہے لیکن وقف کے بعد اگر پڑھا نہ گیا تو یہ قطع ہوگا، اسی طرح ختم قرآن پر قطع نہ ہوگا تاوقتیکہ قطع نہ ہو، اسی طرح سکوت کی حالت میں پڑھنے کا خیال جاتا رہا تو قطع ہوگا۔

فائدہ : قطع کرتے وقت صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وغیرہ کے الفاظ کہنا بہتر ہے تاکہ بندے اور معبود کے کلام میں امتیاز ہو جائے اور سامع کو قراءت کا انتظار بھی نہ ہو۔

فصل ہفتم

ابتداء کے بیان میں

ابتـــــداء : یعنی شروع کرنا اور اصطلاح قراءت میں موقوف علیہ کے مابعد سے پڑھنے کو ابتداء کہتے ہیں اس میں بھی وقف کی طرح دو باتوں کا جاننا ضروری ہے۔ اول کیفیت ابتداء ، دوم محل ابتدا۔

کیفیت ابتداء : یعنی ابتداء کس طرح کی جائے، اس کی صرف ایک صورت ہے ابتداء بالحرکت، جس کلمہ سے ابتداء کی جائے وہ متحرک ہے تو ابتداء اسی حرکت سے ہوگی اور اگر مبدأ ساکن ہے تو اس کے تین قاعدے ہیں : (۱) اگر ہمزہ کسی اسم کا ہے اور وہ اسم غیر معرف باللام ہے تو ابتداء ہمزۂ مکسور کے ساتھ ہوگی جیسے اِبْن ، اِخْوَة وغیرہ۔ (۲) اگر اسم معرف باللام ہے تو ابتداء ہمزۂ مفتوحہ کے ساتھ ہوگی جیسے اَلْقَمر ، اَلرَّحْمٰن وغیرہ۔ (۳) اور اگر ہمزہ کسی فعل کا ہے تو ابتداء ہمزۂ مضمومہ کے ساتھ ہوگی بشرطیکہ فعل کا تیسرا حرف مضموم بضمۂ اصلیہ ہو جیسے اُقْتُـــلُــــوا وغیرہ۔ ورنہ ہمزۂ مکسور سے ابتداء ہوگی جیسے اِضْرِبْ اور اِمْشُوا وغیرہ [1]۔

---

(۱) یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ جب فعل کے تیسرے حرف کا اعتبار کرتے ہوئے ہمزہ کو حرکت دی جاتی ہے تو جس طرح تیسرے حرف پر پیش ہونے کی صورت میں ہمزہ کو پیش اور اور زیر ہونے کی صورت میں ہمزہ کو زیر دیا جاتا ہے تو اسی طرح زبر کی صورت میں ہمزہ پر زبر دینا چاہیے؟۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تیسرے حرف پر زبر کا اعتبار کرتے ہوئے ہمزہ پر بھی زبر دے دیا جائے تو فعل مضارع کا فعل امر سے التباس لازم آئے گا۔ مثلاً اِسْمَع صیغۂ امر ہے، اور ہمزۂ وصلی کو مفتوح پڑھیں اور وقف کریں تو اَسْمَع ہوگا، اور مضارع کا صیغۂ متکلم بھی وقف میں اَسْمَع ہی ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

محل ابتداء : یعنی ابتداء کہاں سے ہو اس کی پانچ صورتیں ہیں: (۱) ابتدائے اتم (۲) ابتدائے تام (۳) ابتدائے کافی (۴) ابتدائے حسن (۵) ابتدائے قبیح۔

ابتدائے اَتم : یہ وقف لازم کے بعد سے ہوتی ہے، کیوں کہ جس طرح وقف لازم کے مواقع پر وقف نہ کرنے سے فاسد اور غیر مرادی معنی کا خیال گزرتا ہے اسی طرح وقف لازم کے بعد سے ابتدا کی بجائے ماقبل سے اعادہ کرنے کی صورت میں معنوی خرابی پیدا ہوگی۔ اس کو ابتدائے لازم اور ابتدائے بیان بھی کہتے ہیں۔

ابتدائے تام : یہ وقف تام کے ان مواقع کے بعد سے ہوتی ہے جہاں وقف لازم تو نہ ہو لیکن وصل کرنے سے کسی معنوی خرابی کا احتمال بھی نہ ہوتا ہو کہ وقف تام رؤس آیات پر ہو جیسے یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ اَلْمُفْلِحُوْنَ ۝ عَذَابٌ عَظِیْمٌ وغیرہ۔ یا آیتوں کے درمیان میں ہو جس کی علامت (ط) ہے جیسے لِیُنْذِرَکُمْ ط (اعراف: ع۹) مِنْ سُلْطَانٍ ط (ایضا) وغیرہ اس کو ابتدائے مطلق بھی کہتے ہیں، یعنی ماقبل سے کسی طرح کا تعلق نہ ہو۔

ابتدائے کافی : یہ وقف کافی کے بعد سے ہوتی ہے۔ عام ہے کہ رؤس آیت پر ہو یا آیتوں کے درمیان میں، جس کی علامت (ج) ہے۔ جیسے وَ اِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ج اور مِنْکُمْ خَاصَّةً ج (انفال: ع۳) وغیرہ۔ پس ایسی مثالوں میں بھی جو ابتداء ہوگی اس کو ابتدائے کافی کہیں گے۔

ابتدائے حسن : یہ صرف ان رؤس آیات پر وقف کرنے کے بعد سے ہوتی ہے، جن پر وقف حسن ہے۔ جیسے معوذتین کی درمیانی آیتیں۔ علامہ سجاوندی ایسی آیتوں پر (لا) کی علامت وضع کر گئے ہیں۔

ابتدائے قبیح : یہ وقف قبیح کے بعد سے ہوگی جس کی تفصیل وقف قبیح میں گزر چکی ہے۔

تنبیہ : جس طرح وقف کلمہ کے درمیان میں اور ایسے ہی کلمہ موصولہ کے آخر پر جائز نہیں، اسی طرح ابتدا اور اعادہ بھی کلمہ کے درمیان سے اور کلمہ موصولہ کے شروع سے جائز نہیں۔ مثلاً رب العالمین میں اَلْ مستقل کلمہ ہے جو مابعد کے ساتھ مل کر لکھا جاتا ہے، اس لیے جس طرح اَلْ پر وقف جائز نہیں اسی طرح ال کے بغیر بعد والے کلمہ سے ابتدا اور اعادہ جائز نہیں۔

ابتداء کی چار صورتیں ہیں : (۱) ابتدائے حقیقی (۲) ابتدائے حکمی (۳) ابتدائے تقدیری (۴) ابتدائے اصطلاحی ۔

ابتدائے حقیقی : یعنی قراءت کی ابتداء اس میں استعاذہ ضروری ہے۔

ابتدائے حکمی : ختم کلام اللہ کے بعد پھر کلام اللہ شروع کرنا جب کہ قطع نہ کیا ہو اس میں صرف بسم اللہ پڑھی جائے گی۔

ابتدائے تقدیری : کسی سورہ کو ختم کر کے دوسری سورہ یا پھر وہی سورہ شروع کرنا، اس ابتداء میں بھی صرف تسمیہ پڑھی جائے گی۔

ابتدائے اصطلاحی : وقف کے بعد ابتداء کرنا جب کہ کسی سورہ سے نہ ہو تو اس ابتداء میں نہ استعاذہ ہے نہ بسملہ۔

فائدہ : باعتبار تلاوت ابتداء دو طرح پر واقع ہوگی۔ (۱) اختیاری (۲) اختباری۔

جو ابتداء محل مستقل اور مقصود بالذات ہو وہ اختیاری ہے اور جو طلبا و تلامذہ کی آزمائش و امتحان کی غرض سے کرائی جائے وہ اختباری ہے۔

فصل ہشتم

اعادہ کے بیان میں

اعـــــادہ : یعنی غیر علامت وقف پر وقف ہو تو موقوف علیہ یا اس کے ماقبل سے شروع کرنے کو اعادہ کہتے ہیں۔اس میں بھی دو چیزوں کا جاننا ضروری ہے۔

اول کیفیت اعادہ ، دوم محل اعادہ۔

کیفیت اعادہ : کیفیت ابتداء کے حکم میں ہے اعادہ اور ابتداء میں بعدیت اور قبلیت کا فرق ہے، کیوں کہ صورۃً یہ بھی ابتداء ہی ہے۔

محل اعادہ : یہ محل ابتداء کے تابع ہے۔مطلب یہ ہے کہ موقوف علیہ کے ماقبل جس کلمہ سے یا جس جگہ سے ابتداء ہوسکتی ہے، وہیں سے اعادہ کرے۔

اعادہ کی دو قسمیں ہیں : (۱) اعادۂ حسن (۲) اعادۂ قبیح۔

اعـــادۂ حسن : وقف حسن غیر آیت پر ہو یا وقف قبیح پر وقف ہو جائے یا فاعل پر وقف تو فعل سے یا مضاف الیہ پر وقف تو مضاف سے یا صفت پر وقف تو موصوف سے یا حرفِ جر پر وقف ہو تو متعلق سے اعادہ کرنا یا معطوف پر وقف تو معطوف علیہ مفرد سے اور اس کے مثل سے اعادہ کرنا حسن ہے۔

اعادۂ قبیح : اعادۂ حسن کے خلاف اعادہ کرنا، یہ قبیح اور اَقبح ہے۔

فائدہ : اعادہ کا فائدہ ربط کلام ہے لہٰذا جہاں سے اعادہ حسن ہو تو وہیں سے اعادہ کرنا چاہیے، تا کہ کلام مربوط ہو جائے۔

فصل نہم

وصل کے بیان میں

وصل : وصل کے لغوی معنی ملانا۔ اور اصطلاح میں حتی الامکان سانس اور آواز کو جاری رکھتے ہوئے پڑھنا وصل کہلاتا ہے۔ یہ وقف کی ضد ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں:
(۱) وصل حقیقی (۲) وصل اصطلاحی۔

وصل حقیقی : یعنی ایک حرف کو دوسرے حرف سے ملا کر پڑھنا۔ یہ وصل مطلقاً ہر قراءت میں اصل ہے خواہ ترتیل قراءت ہو یا تحدیر قراءت یا تدویر قراءت ؛ کیوں کہ بغیر وصل حقیقی کے قراءت ممکن نہیں اسی وجہ سے قراے کرام نے جابجا یہ صراحت کردی ہے کہ قراءت میں کلمات کی تقطیع اور غیر ضروری سکتات سے احتراز کرنا چاہیے، ورنہ وصل حقیقی نہ ہوگا۔

وصل اصطلاحی: یعنی ایک موقف کا دوسرے موقف سے وصل کرنا یہ وصل قراءت کی مناسبت سے حدر میں اصل ہے لیکن مفہوم مخالف یہ نہیں کہ حدر میں مطلقاً وقف ناجائز ہوجائے بلکہ عند الضرورت جب بھی حدر میں وقف کرے تو کسی قوی محل وقف پر، اور اوقاف ضعیفہ کا وصل کرتا جائے۔

فائدہ : جس طرح وقف میں کیفیت وقف اور محل وقف کا جاننا ضروری ہے، اسی طرح وصل میں بھی کیفیت وصل اور محل وصل کا جاننا ضروری ہے۔

اول کیفیت وصل: یعنی یہ جاننا کہ وصل کس طرح کیا جائے۔ اس کی دو صورتیں ہیں: (۱) وصل بہ نیت وصل (۲) وصل بہ نیت وقف۔

وصل بہ نیت وصل: یعنی ایک موقف کا دوسرے موقف سے وصل کرنا ہو تو سکون و حرکات کے اعتبار سے موقف اول کے آخر حرف اور موقف ثانی کے اول حرفؔ کی چار صورتیں پیدا ہوں گی:

اول: دونوں متحرک ہوں جیسے وَتَبَّ ٥ مَا اَغْنیٰ وغیرہ۔

دوم: دونوں ساکن ہوں جیسے اَلَّا تَعْدِلُوا ط اِعْدِلُوْا وغیرہ۔

سوم: اول متحرک ثانی ساکن ہو جیسے نَسْتَعِیْنُ ٥ اِھْدِنَا الصِّرَاط وغیرہ۔

چہارم: اول ساکن ثانی متحرک ہو جیسے فَانْصَبْ ٥ وَاِلیٰ رَبِّکَ فَارْغَبْ وغیرہ۔

اول دونوں متحرک ہوں تو دونوں حروف کے حرکات خوب ظاہر کرے کیوں کہ بحالت وصل حرکات کا ظاہر کرنا ضروری ہے ورنہ لحن جلی ہو جائے گا۔ دوم دونوں ساکن ہوں تو اس صورت میں دو صورتیں پیدا ہوں گی: (۱) حذفِ حرف (۲) اور حرکت حرف۔

حَذْفِ حَرْف: یہ اس وقت ہوگا جب کہ پہلا ساکن مدہ ہو اس وقت پہلا حرفِ مدہ حذف ہوگا جیسے اَخِی ٥ اشْدُدْ وغیرہ۔

حَرْکَتِ حَرْف: جب کہ پہلا ساکن مدہ نہ ہو تو پہلے حرف کو قاعدے کے موافق حرکت دی جائے گی جیسے اَحَدُنِ اللّٰہُ الصَّمَدُ وغیرہ۔

فائدہ : حرکت دینے کی صورت میں اکثر جگہ کسرہ اور بعض جگہ فتحہ جیسے الٓمّٓ اللّٰہُ[1] کا وصل کیا جائے یا مِنْ جارہ کے بعد ساکن حرف آئے تو فتحہ کی حرکت دی جائے گی، جیسے مِنَ اللّٰہِ وغیرہ۔ اور بعض صورتوں میں ضمہ دیا جائے گا جیسے عَلَیْکُمُ الصِّیَام وغیرہ۔

سوم پہلا متحرک دوسرا ساکن ہو تو پہلے حرف کی حرکت دوسرے حرف کے سکون سے ملا کر پڑھتا جائے جیسے نَسْتَعِیْنُ اھْدِنَا وغیرہ۔ اس صورت میں ہمزۂ وصلی حذف ہو جائے گا۔ چہارم پہلا ساکن دوسرا متحرک ہو تو اس وقت سکون و حرکت خوب صاف ادا ہونے چاہیے، جیسے فَانْصَبْ وَ اِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ وغیرہ۔ ورنہ لحن جلی لازم آئے گا۔

وصل بہ نیت وقف : یعنی حسب عادت سانس اور آواز کو منقطع کیے بغیر پڑھتے ہوئے گزر جانا۔ مطلب یہ کہ وصل کی حالت میں وقف والے احکام جاری کرنا، اس کو وصل بہ نیت وقف کہتے ہیں۔ یعنی نیت تو ہے وقف کی مگر وقف کیا نہیں۔ اور یہ پورے قرآن میں صرف ہائے سکتہ والے سات کلمات میں ہوگا۔

---

(۱) قاعدہ کے خلاف بجائے میم کو مکسور پڑھنے کے مفتوح پڑھنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ کسرہ دینے سے توالی کسرات لازم آئے گا کیوں کہ اس سے قبل یائے مدہ ہے جو دو کسروں کے قائم مقام ہے، اور اس سے پہلے بھی کسرہ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کسرہ دینے کی صورت میں لامِ اسم الجلالہ مفخم نہ ہو سکے گا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ میم حروف مقطعات میں سے ہے اور اس کا سکون لازمی اور بنائی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو باقی رکھا جائے بوجہ مجبوری اس کو باقی نہیں رکھ سکتے تو سکونِ بنائی سے عدول کرنے کے لیے ایسی حرکت کو منتخب کیا جو اخف الحرکات ہے اور وہ فتحہ ہے۔ واللہ اعلم ۱۲ منہ۔ عفی عنہ۔

ایک سورۂ بقرہ میں لفظ لَمْ يَتَسَنَّهُ ۔دوسرے سورۂ انعام میں لفظ اِقْتَدِهْ۔تیسرے كِتَابِيَهْ۔ چوتھے حِسَابِيَهْ دونوں دو دو جگہ۔ پانچویں مَالِيَهْ۔ چھٹے سورہ حاقہ میں سُلْطَانِيَهْ ۔ساتویں سورۂ القارعہ میں لفظ مَاهِيَهْ ان کلماتِ مذکورہ کے علاوہ وصل بہ نیت وقف جائز نہیں۔

دوم محل وصل: یعنی کہاں وصل کرنا چاہیے۔جس جگہ وقف کرنے سے ایہام لازم آئے یا معنوی فساد پیدا ہو یا تعلق لفظی پایا جائے تو اس جگہ وصل ہی کرنا ضروری ہے،اس کو محل وصل کہتے ہیں۔اس کی دو علامتیں ہیں۔ایک 'لا' دوسرے 'صلے' جب کہ رؤوس آیت پر واقع نہ ہوں۔پس قرآن کریم کو معرفت وقف وابتداء ومعرفت اعادہ ووصل کے ساتھ مثل تجوید کی رعایت سے پڑھنا نہایت ضروری ہے۔

مَعْرِفَۃُ الرُّسُوْمْ

تیسرا باب ...... فصل اول

قرآنی رسم الخط یعنی رسم عثمانی کے بیان میں

خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجماع سے قرآن مجید کے جو متعدد نسخے لکھوا کر بڑے بڑے اسلامی شہروں میں بھیجے تھے، وہ مصاحف قرآن جس طریقے پر لکھے گئے تھے اس کو علمائے عظام اور قرائے کرام کی اصطلاح میں قرآن کا رسم الخط کہا جاتا ہے۔ اس باب میں رسم الخط سے یہی مراد ہے۔

کتابت و رسم ایک فن ہے اور اس کے قواعد واُصول مرتب ہیں۔ جس طرح ہمارے ملک میں ہماری اپنی زبان کے قواعد واصول ہیں جیسے کہ لفظ خود اور خویش کے اندر واؤ مرسوم ہے، ان الفاظ میں واؤ خلاف عقل وتلفظ ہے مگر واؤ کے ساتھ لکھنا ضروری ہے۔ اگر کوئی مذکورہ الفاظ کو اس طرح لکھے جیسے خد، خیش، تو معنوی اعتبار سے بھی یہ لفظ بگڑ جائیں گے بلکہ لکھنے والا بھی قواعد سے ناواقف سمجھا جائے گا۔ اسی طرح کلام اللہ کے رسم کے سلسلے میں متعدد تصانیف کے اندر اس کے اصول وقواعد کو بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً شیخ ابو حاتم ابوبکر بن ابی داؤد، ابن مہران، علامہ دانی، ابن

نجاح، علامہ شاطبی اور حافظ ابوالعلا ہمدانی وغیرہم ائمہ کرام نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ اور تصنیف وتالیف کا یہ مبارک سلسلہ دوسری صدی ہجری کے اوائل ہی سے شروع ہو چکا تھا، اور بحمد اللہ تا حال جاری ہے۔

تو جس طرح اپنی زبان میں رسم کی پابندی ضروری ہے اسی طرح کلام اللہ کے رسم خط کی پابندی بھی ضروری ہے مثلاً موسیٰ اور یحییٰ کے الفاظ کی رسم یا کے ساتھ ہے، ان کو اسی طرح لکھنا اور جن کلمات میں رسم خلاف تلفظ ہے، ان میں بھی رسم کی پابندی بے حد ضروری ہے اس کے خلاف لکھنا تحریف ہے جو کہ حرام ہے۔ قراء وقف میں رسم خط کا اتباع کرتے ہیں۔ محقق ابن جزری علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ وقف میں اتباعِ رسم' اَئمہ سے نصاً مروی ہے، اور اہل اَدا کا اس پر اجماع ہے، اس کے خلاف کوئی قول نہیں پایا جاتا، یہی وجہ ہے کہ کلام اللہ مع اپنے رسم کے بالکل اسی طرح محفوظ ہے، جس طرح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم اور املا سے ثابت اور منقول ہے۔ رسم خط قرآن اَسرارِ الٰہیہ میں کا ایک سِر ہے کہ اس کی صحیح مراد کا علم تو اللہ یا اس کے بتائے سے اُس کے رسول کو ہے۔ یہ رسم قرآنی ایسی عجیب چیز ہے کہ عقل انسانی اس کے غوامض ونکات سے حیران ہے نیز یہ اسی رسم قرآنی ہی کا کمال ہے کہ جملہ قراءتیں اسی کے ذریعہ پڑھی جاتی ہیں۔ اسی رسم قرآنی کو رسم عثمانی بھی کہتے ہیں۔ کیوں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں جمع قرآن کے سلسلے میں قرآن کریم کے رسم الخط کا بڑا ہی اہتمام فرمایا تھا۔

علم رسم کے لیے بنیادی طور پر خط اور رسم الخط کے مابین فرق سمجھنا ضروری ہے۔ چنانچہ ''خط'' کہتے ہیں: کسی کلمہ کو حروف ہجا کی ترکیب سے بہ رعایت وقف وابتدا' مطابق تلفظ کے لکھنا۔ جب کہ ''رسم'' کلمہ کو حروف ہجا کی ترکیب سے رسم عثمانی کے موافق لکھنے کو کہتے ہیں۔

خط اور رسم الخط کی تعریف سے معلوم ہوگیا کہ رسم خط میں مصحف سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اتباع اصل ہے۔اس لیے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کریم کی کتابت میں اس کا اہتمام بلیغ فرمایا ہے کہ کلام اللہ کا جو کلمہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے مطابق جیسا لکھا گیا ہے اس کو ویسا ہی لکھا جائے کیوں کہ لوحِ محفوظ سے بہ واسطۂ جبرئیل امین اسی انداز پر لکھنا آپ ﷺ تک پہنچا تھا، اس میں کسی کے اجتہاد و عقل کو کوئی دخل نہیں۔یہی وجہ ہوئی کہ ائمہ امت نے رسم عثمانی کے خلاف قرآن کریم لکھنے کو ناجائز قرار دے دیا ہے۔

شیخ مکی نے اپنی کتاب ''نہایۃ القول المفید'' میں ایک قول نقل فرمایا ہے :

قال الامام احمد بن حنبل رحمه اللّٰه تعالیٰ تحرم مخالفة خط العثمانی فی واؤ أو یا أو الف أو غیر ذالک و فی شرح ابن غازی وقد نقل الجعبری وغیرہ اجماع الائمة الاربعة علی وجوب اتباع مرسوم المصحف العثمانی . (۲۳۸)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ واؤ، یا اور الف وغیرہ کی کتابت میں رسم عثمانی کی مخالفت حرام ہے۔اور شرح ابن غازی میں حضرت جعبری وغیرہ سے منقول ہے کہ رسم عثمانی کا اتباع واجب ہونے کے سلسلے میں ائمہ اربعہ کا اجماع واتفاق ہے۔

فائدہ: جس طرح حروف مقطعات وآیات متشابہات کی صحیح مراد کے نامعلوم ہونے کے باوصف ہم اُسے تسلیم کرتے، پڑھتے اور پڑھاتے ہیں، اور اس میں کسی طرح کے تغیر وتبدل کو جائز نہیں رکھتے بلکہ تاحد امکان اس کی توجیہ وتاویل کرتے ہیں، اسی طرح یہ رسم خطِ قرآن بھی اسرار الٰہیہ میں کا ایک سر ہے، اس کی باریکیاں عقل کی کسوٹی پر نہ اُترنے کے باوجود بھی اسے بلا چون وچرا تسلیم کر لینا چاہیے، اور اس کے درست ہونے پر ایمان رکھنا چاہیے۔

موضوع : نقوشِ قرآنی۔

غرض وغایت : صحت رسم وقراءت۔

رسم قرآنی کی دو قسمیں ہیں : (۱) رسم قیاسی (۲) رسم غیر قیاسی

رسم قیاسی : یعنی لفظ کا رسم تلفظ کے مطابق ہو جیسے مَلِکِ النَّاسِ وغیرہ۔

رسم غیر قیاسی : یعنی مرسوم مطابق تلفظ کے نہ ہو یا خلاف اصل ہو۔

خلافِ اصل کی بھی دو صورتیں ہیں: پہلا خلاف عقل مرسوم ہو جیسے اَفَائِنْ مَّاتَ وغیرہ کہ ایک یا زائد ہے۔ دوسرے خلاف قاعدہ مرسوم ہو جیسے بِئْسَمَا پھر خلافِ مقرو کی بھی دو صورتیں ہیں: اول یہ کہ مرسوم حرف پڑھنے میں نہ آئے جیسے لَا۠ اَنْتُمْ وغیرہ۔ دوسرے یہ کہ حرف مرسوم نہ ہو مگر پڑھا جائے جیسے دَاوٗد وغیرہ۔

رسم غیر قیاسی کی دو قسمیں ہیں : (۱) رسم اِصطلاحی (۲) رسم اِحتمالی

رسم اصطلاحی : یعنی جس کلمہ میں دوسری قراءت نہ پائی جا سکے جیسے لَاۡاَذۡبَحَنَّهٗ وغیرہ کہ اس کلمہ میں لام کے بعد الف بالاتفاق نہیں پڑھا جائے گا۔

رسم احتمالی : یعنی جس کلمہ میں دوسری قراءت کے پائے جانے کا احتمال ہو جیسے کہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ وغیرہ۔

رسم قیاسی کی دو قسمیں ہیں: (۱) قیاسی مطلق (۲) قیاسی مقید۔

قیاسی مطلق : یعنی مرسوم بالاتفاق مقرو کے مطابق یا اصل کے موافق ہو جیسے مَلِكِ النَّاس وغیرہ۔

قیاسی مقید : یعنی مرسوم کسی خاص قراءت میں ملفوظ کے موافق ہو جیسے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ بحذف الف وغیرہ۔

فائدہ : رسم غیر قیاسی کی واقع ہونے کے اعتبار سے چار صورتیں ہیں: (۱) وصل (۲) ابدال (۳) حذف (۴) اثبات۔

وصل : یعنی دوکلموں کو ملا کر لکھنا جیسے بِئْسَمَا وغیرہ۔ اور اگر دو کلمے الگ الگ ہوں تو اس کو مقطوع کہیں گے جیسے اِنَّ مَــا وغیرہ۔ پس جن دوکلموں کو ملا کر لکھا جائے تو ان میں پہلے کلمہ پر وقف ہرگز جائز نہیں بلکہ عندالضرورت دوسرے کلمہ پر وقف کیا جائے گا، اس کو وقف علی الوصل کہتے ہیں۔

ابدال : یعنی ملفوظ حرف کی جگہ دوسرا حرف مرسوم ہو جیسے اَلــرِّبٰوی ، فَسَوّٰی وغیرہ ایسے کلمات پر وقف ہو تو اس کو وقف علی الابدال کہیں گے، اس صورت میں وقف مخالف رسم ہوگا۔

حذف : یعنی کسی حرفِ مقرو کو نہ لکھنا جیسے سَـلٰـم وغیرہ۔ یہ تین طرح پر واقع ہوگا۔ اول یہ کہ الف حذف ہو جیسے بَلّٰغ وغیرہ۔ دوم یہ کہ واوٗ حذف ہو جیسے تَلْوٗ وغیرہ۔ سوم یہ کہ یا حذف ہو جیسے یَسْتَحْیٖ وغیرہ۔

اثبات : یعنی کسی حرف غیر مقرو کو لکھنا اس کی دوصورتیں ہیں: اول یہ کہ اثبات الف ہو جیسے لٰکِنَّــا ، اَلــظُّنُوْنَـا ، اَلــرَّسُوْلاَ، اَلسَّبِیْلاَ، سَلاَسِلاَ، قَوَارِیْرَا، ان کلمات مذکورہ پر وقف موافق رسم اور اثبات الف کے ساتھ ہوگا اس کو وقف بالاثبات کہیں گے۔ دوم اثبات یا جیسے بِلِقَاۗئِ رَبِّہِمْ وغیرہ۔

ثَـمُـوْدَا۟، نَبْلُوَا۟، نَدْعُوَا۟ وغیرہ کے مثل جو الف کہ قراءۃً ثابت نہ ہوں، اسی طرح تِلْقَایِ اور بِــلِـقَایِ رَبِّہِمْ وغیرہ کے کلمات کہ الف و یا کسی بھی صورت میں ثابت نہیں، لہٰذا ان مذکورہ جگہوں پر وقف بالحذف ہوگا اور مخالف رسم ہوگا۔

ہائے ضمیر کا بیان

(۱) جب ہائے ضمیر سے پہلے زیر یا یائے ساکنہ ہو تو ہائے ضمیر کو زیر دیا جائے گا جیسے بِہٖ، اِلَیْہِ وغیرہ۔

یہ ایک قاعدہ ہوا لیکن قرآن پاک میں چار کلمات اس قاعدہ کے خلاف آئے ہیں: "وَمَا اَنْسَانِیْهُ"[۱] . "عَلَیْهُ اللّٰه" . "اَرْجِهْ" . "فَاَلْقِهْ"[۲] پہلی دو مثالوں میں ضمیر پر پیش ہے۔ اور آخر کی دو مثالوں میں ہائے ضمیر ساکن ہے۔

(۲) جب ہائے ضمیر کے ماقبل نہ کسرہ ہو نہ یا ساکنہ تو ہائے ضمیر مضموم ہوگی۔ جیسے لَهٗ، رَسُوْلُهٗ ، مِنْهُ ، اَخَاهُ وغیرہ۔ مگر قرآن پاک میں ایک جگہ اس کے خلاف آیا ہے۔ مثلاً وَ یَتَّقْهِ فَاُولٰئِکَ۔ اس مثال میں ہا مکسور ہے۔

(۳) جب ہا ضمیر کے ماقبل اور مابعد دونوں طرف حرکت ہو، تو ہا ضمیر میں صلہ ہوگا۔ یعنی ضمیر پر اگر پیش ہو تو واؤ یعنی اُلٹا پیش زائد کر کے پڑھیں گے۔ اور اگر ضمیر پر زیر ہو تو یا یعنی کھڑی زیر زائد کر کے پڑھیں گے۔ پیش کی مثال: رَسُوْلُهٗ اَحَقُّ ، جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ کسرہ کی مثال: مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وغیرہ۔ مگر ایک جگہ قرآن پاک میں اس کے خلاف آیا ہے۔ اور وہ یہ ہے: وَ اِنْ تَشْكُرُوْا یَرْضَهُ لَكُمْ اس میں صلہ نہ ہوگا یعنی الٹا پیش زائد کر کے نہ پڑھیں گے۔

(۴) اگر ہائے ضمیر کے ماقبل کوئی ساکن ہو، تو ہائے ضمیر کی حرکت میں اشباع نہ ہوگا۔ جیسے مِنْهُ ، عَنْهُ وغیرہ۔ مگر ایک جگہ سورۂ فرقان میں لفظ فِیْهٖ مُهَانًا میں اشباع ہوگا۔ (صلہ و اشباع کی تعریف شروع کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔)

---

(۱) اُصولاً تو مکسور ہونا چاہیے تھا مگر خلاف اصول یہ دونوں مضموم ہوں گے۔ وجہ یہ ہے کہ ضمہ دینا ہا کے اصل اعراب (ضمہ) کی رعایت کی وجہ سے ہے تاکہ ہا میں اصل ضمہ ہونے کی طرف اشارہ ہو جائے اور کسرہ تو ماقبل کے کسرہ اور یا ساکنہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ توالیِ کسرات کی وجہ سے زیر نہیں دیا گیا، اور ہا ضمیر کے لیے ضمہ اصل ہونے کی وجہ سے ضمہ دیا گیا۔ رہا علیہُ اللّٰه تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ اصل میں "عَلاهُ اللّٰه" ہے اور الف کے بعد ہا ضمیر مضموم ہی ہوتی ہے۔ ۱۲ منہ۔ عفی عنہ۔

(۲) صاحب علم الصیغہ نے ان کے سکون کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ اور فَاَلْقِهْ اِلَیْهِمْ میں ہائے ضمیر کو جب بعد والے کلمہ سے وصل کر کے پڑھا جائے تو فَعِل کا وزن پیدا ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ فَعِل کا وزن اصلی ہو یا صوری عین کلمہ کو ساکن کرنا جائز ہے، پس قاعدہ کے مطابق یہاں ہائے ضمیر کو ساکن کیا گیا ہے۔ ۱۲ منہ۔ عفی عنہ۔

فصل دوم

مُتفرّق قواعد کے بیان میں

فائدہ : قرآن پاک کے اندر چار لفظ ایسے ہیں کہ لکھے تو جاتے ہیں صاد سے اور اس کے اوپر چھوٹی سی سین بھی لکھی ہوتی ہے، مگر اس کے پڑھنے کا قاعدہ یہ ہے سورۂ بقرہ میں لفظ یَبۡصُۜطُ ،سورۂ اعراف میں لفظ بَصۜۡطَةً ان دونوں جگہوں میں بجائے صاد کے سین ہی پڑھنا چاہیے۔ تیسرا سورۂ طور میں، اَمۡ هُمُ الۡمُصَۜيۡطِرُوۡنَ اس میں اختیار ہے چاہے سین سے پڑھے یا صاد سے۔ چوتھا سورۂ غاشیہ میں بِمُصَيۡطِرٍ اس میں صاد ہی پڑھنا چاہیے۔ گو کہ اس کے اوپر سین مرسوم ہوتی ہے۔

فائدہ : سورۂ رُوم میں آیۂ کریمہ : اَللّٰهُ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ ضُعۡفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ ضُعۡفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّةٍ ضُعۡفًا میں تینوں جگہ لفظ ضعف کے ضادِ مضموم کو بروایت حفص زبر کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے۔ لیکن کہیں زبر کہیں پیش، یہ جائز نہیں۔ البتہ لفظ ضعف کو زبر ہی کے ساتھ پڑھنا چاہیے، کیوں کہ امام حفص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ضمہ والی روایت امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ سے براہِ راست نہیں پہنچی بلکہ یہ بالواسطہ ثابت ہے۔

فائدہ : قاعدہ ہے کہ نون ساکن کے بعد واوٗ آئے تو ادغام مع الغنہ ہوتا ہے لیکن یٰسٓ ۝ وَ الۡقُرۡاٰنِ اور نٓ ۝ وَالۡقَلَمِ میں نون ساکن کے بعد اگرچہ واوٗ آیا ہے لیکن ان دونوں جگہوں میں روایۃً اظہار ہی ہوگا۔ ہاں! بطریق جزری یہاں ادغام بھی ثابت ہے۔

وہ بعض مقامات جہاں الف وصل کی حالت میں نہیں پڑھا جاتا اور وقف کی حالت میں پڑھا جاتا ہے، یہ ہیں :

لفظ اَنَا (۱) ضمیر مرفوع منفصل، جہاں کہیں بھی آئے ـــــ اور اسی طرح لٰکِنَّا (۲) هُوَ اللّٰه جو سورہ کہف کے پانچویں رکوع میں ہے ـــــ اور سورۂ احزاب میں اَلظُّنُوْنَا، اَلرَّسُوْلاَ، اَلسَّبِيْلاَ ـــــ اور سورۂ دہر میں لفظ سَلاَسِلاَ اور اس کا پہلا قَوَارِيْرَا (۳) ۔ ان تمام لفظوں میں بحالت وصل الف نہیں پڑھا جاتا، اور حالت وقف میں پڑھا جاتا ہے۔ لیکن خاص طور سے سَلاَسِلاَ کو بحالت وقف، وصل کی

---

(۱) بصریین کے نزدیک اَنَـا اصل میں اَنَ یعنی بغیر الف کے ہمزہ اور نون سے ہے، اور الف اس کو قوی کرنے کے لیے زیادہ کر دیا گیا ہے۔ یا وقفاً نون کی حرکت ظاہر کرنے اور اسے باقی رکھنے کے لیے ہے۔ اور وصلاً الف کا حذف اصل کی بنا پر ہے.......... اور کوفیین کی رائے پر اَنَـا ضمیر تینوں حروف کا مجموعہ ہے۔ یعنی ان کے نزدیک کلمہ کی بنا اسی طرح ہے، پس ان کے نزدیک وقفاً الف کا اثبات اصل کی بنا پر ہے، اور وصل کی صورت میں الف کا حذف تخفیف کی غرض سے۔

(۲) لٰكِنَّا اصل میں لٰكِنْ عاطفہ اور اَنَا واحد متکلم کی ضمیر سے مرکب ہے، ہمزہ کی حرکت نقل کر کے پہلے نون کو دے دی، اور ہمزہ کو حذف کر دیا گیا۔ اب لٰكِنْ نَا میں مثلین جمع ہو گئے اس لیے اول کو ساکن کر کے ثانی میں ادغام کر دیا لٰكِنَّا ہو گیا، پس وصل میں الف کا حذف اصل کی بنا پر ہے، جیسا کہ ابھی اَنَا کی لفظی تحقیق کے بارے میں گزرا۔

(۳) الظنونا، الرسولا، السبیلا ان تینوں کلمات کے شروع میں اَلْ تعریف کا ہے، اس لیے ان کے آخر میں تنوین نہیں آسکتی، اور ان کے آخر میں جو الف ہے وہ سابق مجاور اور لاحق مجاور یعنی پہلے اور بعد والے فواصل کی رعایت کی بنا پر عماد کا الف ہے۔

مانند بغیر الف پڑھنا بھی مروی ہے مثل سَلاسِلْ[۱]۔

چندوہ مقامات جہاں الف وقفاً وصلاً کسی حالت میں نہیں پڑھا جاتا، یہ ہیں :

سورۂ بقرہ میں اَوْ یَعْفُوَا سورۂ مائدہ میں اَنْ تَبُوْٓاَ سورۂ رعد میں لِتَتْلُوَا ،
سورۂ کہف میں لَنْ نَّدْعُوَا ، سورۂ روم میں لِیَرْبُوَا ، سورۂ محمد میں لِیَبْلُوَا، نَبْلُوَا،
اور سورۂ ہود و فرقان و عنکبوت و نجم میں ثَمُوْدَا ، سورۂ دہر میں دوسرا قَوَارِیْرَا۔ ان
الفاظ کے آخر کا الف کسی حال میں بھی نہیں پڑھا جائے گا۔

فائدہ : پانچ کلمات ایسے ہیں کہ جن میں لکھا ہوا تو لا ہے یعنی لام کے بعد الف ہے مگر پڑھنے میں الف نہیں آتا ان کی تفصیل یہ ہے : لَاْ اِلَی اللّٰہِ [آل عمران: ۱۵۸] لَاْ اَوْضَعُوْا [توبہ: ۴۷] اَوْ لَاْ اَذْبَحَنَّہٗ [نمل: ۲۱] لَاْ اِلَی الْجَحِیْمِ [صٰفّٰت: ۶۸] لَاْ اَنْتُمْ [حشر: ۲۳] پس ان کلمات میں اگر الف پڑھا جائے گا تو کلمہ بجائے مثبت کے منفی ہو جائے گا اور معنی بالکل بدل جائیں گے۔

---

(۱) سَلٰسِلاَ حذف الف کے ساتھ وقف کرنے کی توجیہ یہ ہے کہ جس منصرف اسم پر تنوین نہ ہو قیاس کی رُو سے اس پر وقف الف کے بغیر سکون ہی سے ہوتا ہے، اس قاعدہ کی رو سے سلٰسلا پر وقف الف کے بغیر ہوگا، اور تنوین کا ترک اور وقفاً الف کا اثبات لاحق مجاور کی رعایت یعنی بعد والے کلمات اَغْلٰلاً اور سَعِیْرًا کی رعایت اور مناسبت سے ہے۔ اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ الف کے حذف و اثبات کی دونوں نوعوں کے جمع کرنے کے لیے ہے۔ یہ سب توجیہات ''نکات بعد الوقوع'' کے طور پر ہیں، اور ہر جگہ توجیہ میں اس مفہوم کو ذہن میں رکھنے سے کوئی اشکال پیدا نہیں ہوگا۔ اسی طرح پہلا قَوَارِیْرَا فواصل میں سے ہے، اور اس سورہ کے تمام فواصل کے آخر میں الف ہے، اور روایت حفص میں یہ غیر منصرف ہے جیسا کہ ابھی گزرا، اس لیے اس پر حفص کے لیے تنوین کے ترک اور الف کے اثبات سے (رعایت سجع کا اعتبار کرتے ہوئے) وقف ہوگا، اور یہی عمدہ بھی ہے۔ (معلم الاداء فی الوقف والابتداء: ۸۴تا۸۶)

'الف' نہ پڑھے جانے والے مقامات کا جدول

○ اَفَائِنْ مَّات	سورہ آل عمران	پ۴	ع۶
○ لَا اِلَی اللّٰہِ	//	//	ع۸
○ اَنْ تَبُوْءَ ا	سورۂ مائدہ	پ۶	ع۹
○ مِنْ نَّبَائِ الْمُرْسَلِیْن	سورۂ انعام	پ۷	ع۱۳
○ لَا اَوْضَعُوْا	سورۂ توبہ	پ۱۰	ع۷
○ ثَمُوْدَا	سورۂ ھود، فرقان، عنکبوت، نجم		
○ لِتَتْلُوَا	سورۂ رعد	پ۱۳	ع۱۰
○ لَنْ نَّدْعُوَا	سورۂ کہف	پ۱۵	ع۱۴
○ لِشَایْئٍ	سورۂ کہف	پ۱۵	ع۱۶
○ لٰکِنَّا	سورۂ کہف	پ۱۵	ع۱۷
○ لَااَذْبَحَنَّہٗ	سورۂ نمل	پ۱۹	ع۱۷
○ لَا اِلَی الْجَحِیْمِ	سورۂ صافات	پ۲۳	ع۶
○ وَ نَبْلُوَا	سورۂ محمد	پ۲۶	ع۸
○ بِئْسَ الْاِسْمُ الْفُسُوْق	سورۂ حجرات	پ۲۶	ع۱۴
○ لَاْ اَنْتُمْ	سورۂ حشر	پ۲۸	ع۵
○ سَلَاسِلَا	سورۂ دہر	پ۲۹	ع۱۹
○ قَوَارِیْرَا	سورۂ دہر	پ۲۹	ع۱۹
○ لِیَرْبُوَا	سورۂ روم	پ۲۱	ع۷
○ اَنَا	(ضمیر واحد متکلم منفصل) جہاں کہیں بھی آئے۔		

فائدہ : لفظ کائن جو بظاہر نون ساکن ہے یہ اصل میں نون تنوین ہے جو مرسوم ہے، اور کاف تشبیہ کا ہے۔ اس لفظ کے سوا مصحف عثمانی میں کہیں تنوین نہیں لکھی گئی، اور قاعدے سے یہاں وقف کی حالت میں تنوین حذف ہونی چاہیے۔ مگر چوں کہ وقف رسم خط کے تابع ہوتا ہے، اور یہاں مرسوم ہے اس وجہ سے وقف میں تنوین ثابت رہے گی۔

فائدہ : نونِ خفیفہ کلام اللہ میں دو جگہ ہے ایک سورۂ یوسف میں وَ لِيَكُونًا مِّنَ الصَّاغِرِيْنَ، اور دوسرے سورۂ اِقرأ میں لَنَسْفَعاً بِالنَّاصِيَةِ، یہ دونوں نون وقف کی حالت میں الف سے بدل جائیں گے، کیوں کہ وقف رسم خط کے تابع ہوتا ہے۔

فائدہ : سورۂ یوسف کے دوسرے رکوع میں لفظ لَا تَأْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ [1] آیا ہے۔ اس کی اصل لَا تَأْمَنُنَا تھی یعنی دو نون کے ساتھ، پہلا مضموم، دوسرا مفتوح اور اس میں لا نافیہ ہے۔ اس کے پڑھنے کی چار صورتیں ہیں۔ (۱) محض ادغام (۲) محض اظہار (۳) ادغام مع الاشمام (۴) اظہار مع الروم۔ اول و دوم جائز نہیں ہے، اور آخر کے دو یعنی ادغام مع الاشمام اور اظہار مع الروم جائز ہے۔ اور اس میں بھی ادغام مع الاشمام اولیٰ ہے۔

فائدہ : حروفِ مقطعات پورے پورے اور الگ الگ پڑھے جاتے ہیں۔ اور مقطعات کے معنی بھی یہی ہیں کہ کٹے کٹے یعنی الگ الگ پڑھے جانے والے حروف، اور اسی وجہ سے ان کو مقطعات کہتے ہیں۔ پس سورۂ اعراف کے شروع میں الٓمّٓصٓ کا تلفظ اس طرح ہوگا: الف، لآم، میٓم، صآد۔ اور سورۂ مریم کے

---

(۱) لَا تَأْمَنَّا میں لا نافیہ ہے کیوں کہ اگر لائے نہی ہو تو پھر پہلا نون چونکہ لام کلمہ ہے، اس لیے ساکن ہو جائے گا اور بقاعدۂ یرملون ادغام واجب ہوگا۔ اسی لیے یہاں ادغام کے ساتھ اشمام کو لازم قرار دیا گیا ہے، تاکہ اصل کی طرف اشارہ ہو کہ اصل میں نون مضموم ہے ساکن نہیں ہے اور جب نون کو مضموم پڑھا تو لا کا نافیہ ہونا ظاہر ہو گیا کیوں کہ لائے نہی اپنے آخر کو جزم دیتا ہے، مگر لائے نافیہ نہیں۔ ۱۲ منہ

شروع میں کٓھٰیٰعٓصٓ کا تلفظ اس طرح ہوگا: کاف، ہا، یا، عین، صاد۔ سورۂ شوریٰ کے شروع میں حٰمٓ عٓسٓقٓ کا تلفظ اس طرح ہوگا: حا، میم، عین، سین، قاف۔ اور باقی حروف مقطعات کو بھی یوں ہی الگ الگ کر کے پڑھا جائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان حرفوں کا تلفظ بالکل اسی طرح کرنا چاہیے جس طرح کہ قاعدہ میں حروف تہجی کا تلفظ کیا جاتا ہے پھر ان میں سے جن میں بیچ کا حرف مدہ یا لین ہے ان میں تین یا پانچ الفی طول بھی ہوتا ہے۔ اور ایسے ہی ان حروف میں جہاں جہاں ادغام یا اخفا کا قاعدہ پایا جاتا ہے وہاں ان قاعدوں کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے مثلاً الٓمٓ میں ادغام کا، اور حٰمٓ عٓسٓقٓ میں اخفا کا قاعدہ پایا جاتا ہے۔

فائدہ: کٓھٰیٰعٓصٓ، حٰمٓ، عٓسٓقٓ کے عین اور سین کے نون ساکنہ ملفوظہ میں مدفرعی کے بعد اخفا ہوگا، اور طٰسٓمٓ کے سین کے نون کا میم میں ادغام ہوگا اور طٰسٓ ۚ تِلْکَ میں وصلاً اخفا ہوگا اور بحالت اخفا و ادغام ایک الف کے برابر غنہ بھی ہوگا۔

تلاوت کے محاسن

نمبر شمار	نام	تعریف و توضیح
۱	تَرْتِیْل	قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر تمام قواعد تجوید کی رعایت کر کے پڑھنا۔
۲	تَجْوِیْد	حروف کو ان کے مخارج سے مع جمیع صفات ادا کرنا۔
۳	تَبْیِیْن	یعنی ہر حرف کو واضح اور صاف طور سے ادا کرنا۔
۴	تَرْسِیْل	ہر حرف کو ایسے ہی ادا کرنا جیسے اس کی ادائیگی کا حق ہے۔

۵	تَوْقِیْر	قرآن نہایت خشوع وخضوع اور پورے وقار کے ساتھ پڑھنا۔
۶	تَحْسِیْن	لحن عرب کے موافق تجوید کی پوری رعایت کرکے پڑھنا۔

تلاوت کے عیوب

نمبر شمار	نام	تعریف و توضیح	حکم
۱	تَخْلِیْط	حدر میں اس قدر جلدی کرنا کہ حروف سمجھ میں نہ آئیں	حرام
۲	تَطْنِیْن	گنگنی آواز سے پڑھنا اور ہر حرف کو ناک میں لے جانا	حرام
۳	تَهْمِیْز	ہر حرف میں ہمزہ ملا دینا	حرام
۴	تَعْوِیْق	کلمے کے درمیان میں وقف کرکے بعد سے ابتدا کرنا	حرام
۵	عَنْعَنَہْ	ہمزہ یا کسی اور حرف کے ساتھ عین کی آواز ملا دینا	حرام
۶	هَمْهَمَہْ	کسی حرف مخفف کو مشدد پڑھنا	حرام
۷	زَمْزَمَہْ	گانے کے طور پر پڑھنا	حرام
۸	تَرْقِیْص	آواز کو نچانا۔ اگر یہ تجوید کے مطابق ہے تو مکروہ۔ ورنہ	حرام
۹	تَمْطِیْط	یعنی ترتیل میں مدات وحرکات وغیرہ میں حد سے زیادہ دیر کرنا	مکروہ
۱۰	تَنْفِیْش	حرکات کو پورا نہ ادا کرنا	مکروہ
۱۱	تَمْضِیْغ	حرکات کو چبا چبا کر پڑھنا	مکروہ
۱۲	وَثْبَہ	پہلے حرف کو ناتمام چھوڑ کر دوسرے حرف کو شروع کر دینا	مکروہ

طریقۂ اجرا بروایت حفص

جب تجوید وقراءت کے مسائل خوب اچھی طرح ذہن نشیں ہوجائیں، طلبہ کے اندر پختگی آجائے، اور وہ مدود واوقاف کی صحیح معرفت کرنے لگیں، تب اساتذۂ کرام کو قواعد کا اجرا کرانا چاہیے، تاکہ طلبہ پوری دلچسپی کے ساتھ اسے روبعمل لائیں۔

طالبانِ دین کو اولاً تو معروف ومجہول کا فرق بتایا جائے کہ یہ ایک ایسی بلاے بے درماں ہے جس سے خواص کا دامن بھی آلودہ نظر آتا ہے، عوام کو کون پوچھے؟۔ اجرا کراتے وقت ہر ہر لفظ کے اندر تمام قواعد جاری کیے جائیں کہ کہاں کس حرف کا اظہار، کہاں ادغام اور کہاں کون سا مد ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ نمونے کے طور پر سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورۂ بقرہ کی چند ابتدائی آیتیں مع اجرا لکھی جاتی ہیں۔ اسی پر قیاس کر کے تمام قرآن کا اجرا کرایا جائے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دونوں کا پڑھنا اس لیے ضروری ہے کہ قراءت وسورہ دونوں کا آغاز ہورہا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ شروع قراءت شروع سورہ میں اعوذ باللہ اور بسم اللہ دونوں پڑھے جائیں گے۔ ان کے پڑھنے کی چار صورتیں ہیں: وصل کل ، فصل کل ، وصل اول فصل ثانی ، فصل اول وصل ثانی۔ لیکن چوتھی صورت اولیٰ ہے۔ تفصیل شروع کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اَلْحَمْدُ : میں لام تعریف کا اظہار ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ لام تعریف کے بعد حروف قمریہ میں سے کوئی حرف آئے تو لام تعریف کا اظہار ہوگا۔ اسی طرح میم ساکن

کا بھی اظہار ہے۔ کیوں کہ قاعدہ ہے کہ میم ساکن کے بعد میم اور با کے علاوہ اور کوئی حرف آئے تو اظہار ہوگا۔

لِلّٰهِ : اس میں لامِ اللہ کی ترقیق ہوگی۔ اس لیے کہ لفظ اللہ سے پہلے زیر ہے، اور لام اسم جلالت کی تفخیم صرف زبر اور پیش کی صورت میں ہوتی ہے۔

رَبِّ : را کے اوپر فتحہ ہونے کی وجہ سے را کو پر پڑھا جائے گا۔

الْعَالَمِيْنَ : لام تعریف کا اظہار ہوگا۔ قاعدہ اوپر گزر چکا۔ اس پر اگر وقف کیا گیا تو صرف وقف بالاسکان ہوگا۔ اور وقف کی حالت میں مد وقفی ہوگا۔ قاعدہ یہ ہے کہ حرف مد کے بعد سکون عارض ہو تو اس کو مد وقفی کہتے ہیں۔ مد عارض میں تین وجہیں یعنی طول، توسط، اور قصر جائز ہیں۔ لیکن طول اولیٰ ہے۔

فائدہ : جس طرح قراءت ترتیل کے موافق طول اور قراءت حدر کے مطابق قصر ہے، اسی طرح قراءت تدویر کی مناسبت سے توسط کرنا چاہیے۔

اَلرَّحْمٰنِ : میں لام تعریف کا را میں ادغام ہوگا۔ اور را مشدد پر پڑھی جائے گی۔ قاعدہ یہ ہے کہ لام تعریف کے بعد حروف شمسیہ میں سے کوئی حرف آئے تو ادغام ہوگا۔ یعنی لام پڑھنے میں نہیں آئے گا، بلکہ را کے اندر ضم ہو جائے گا۔

تنبیہ : 'الرحمٰن' میں میم اور نون کے درمیان جو الف ہے بعض لوگ اس الف میں بھی غنہ کر دیتے ہیں، اس سے احتراز چاہیے۔

اَلرَّحِيْمِ : اس میں بھی ادغام ہے، اور بحالت وقف 'وقف بالاسکان کے ساتھ ساتھ وقف بالروم بھی جائز ہے۔

مٰلِكِ : اس کے الف میں مد طبعی ہے۔

يَوْمِ الدِّيْنِ : میں یوم کا واو حرف لین ہے، جس کی مقدار واو مدہ سے کم ہے، اور لام تعریف کا دال میں ادغام ہے۔ بصورت وقف 'وقف بالاسکان اور روم بھی

ہوسکتا ہے۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ : میں لفظ ایاک کی تشدید کامل نہ ادا ہونے سے لحن جلی ہوگا اسی طرح و ایاک کا ہمزہ بھی بالکل صاف ادا ہونا چاہیے۔ بوجہ تشدید اس کی یا غیر مدہ ہے۔

نَسْتَعِیْنُ : اس پر وقف تام ہے۔ نستعین کی سین میں صفت صفیر ہے۔ اور بحالت وقف اس میں وقف بالاسکان، اشمام اور روم تینوں صورتیں جائز ہیں۔ اس طرح یہاں پر کل سات وجہیں جمع ہوجاتی ہیں: طول، توسط، قصر مع الاسکان، طول، توسط، قصر مع الاشمام اور قصر مع الروم۔

اِھْدِنَا : کا اگر نستعین سے وصل کیا جائے تو ہمزۂ وصلی ہونے کی وجہ سے حذف ہوجائے گا، مگر یہاں وصل کرنا خلاف اولیٰ ہے۔

الصِّرَاطَ : میں لام تعریف کا ادغام ہے۔ اور آخری چاروں حرف پُر پڑھے جائیں گے۔

اَلْمُسْتَقِیْمَ : میں بوجہِ وصل ہمزۂ وصلی گر جائے گا۔ لام تعریف کا اظہار ہے۔ اور بحالت وقف صرف وقف بالاسکان ہوگا، روم واشمام جائز نہیں۔ حرف سین چونکہ ساکن ہے اس لیے دیگر صفات کے علاوہ صفت صفیر بھی کامل ادا ہونی چاہیے۔

صِرَاطَ الَّذِیْنَ : میں ہمزۂ وصلی محذوف ہے۔ دونوں جگہ لفظ 'صراط' کے صاد اور طا میں تفخیم مستقل ہے، اور را و الف میں غیر مستقل۔

اَنْعَمْتَ : میں نون ساکن کا اظہار 'عین' حروف حلقی کی وجہ سے اور اسی طرح میم ساکن کا اظہار 'ت' کی وجہ سے ہے۔

عَلَیْھِمْ : میں میم ساکن کا اظہار ہے، اور یائے لین ہے۔

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ : میں غین حرف مستعلیہ ہے جو ہمیشہ پُر پڑھا جائے گا۔ یا' حرف لین ہے۔ را کسرہ کی وجہ سے باریک پڑھی جائے گی۔ المغضوب میں لام تعریف کا اظہار ہوگا۔ غین، ضاد ہمیشہ پر پڑھے جائیں گے۔ اور ضاد کے بعد کا واؤ مدہ بھی پُر ہوگا۔

وَلَا الضَّآلِّیْنَ : میں ولا کے وصل کی وجہ سے الف اور ہمزہ وصلی دونوں حذف ہو جائیں گے۔ اور لام تعریف کا ضاد میں ادغام ہے۔ لام باریک ہے۔ اور الف میں مد لازم کلمی مثقل ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ حرف مد کے بعد تشدید اسی کلمہ میں ہو، تو اس کو مد لازم کلمی مثقل کہتے ہیں۔ اس کی مقدار تین اور پانچ الف ہے۔ مگر یہاں بوجہ تدویر اس کی مقدار کشش تین الف ہوگی۔ نون پر بحالت وقف مد عارض ہوگا۔ البتہ ختم سورہ کا وصل کیا گیا تو صرف قصر ہوگا جس کی مقدار ایک الف ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع سورہ ہونے کی وجہ سے یہاں بسم اللہ ضروری ہے۔

قاعدہ یہ ہے کہ وسط قراءت شروع سورہ میں بسملہ کی جائز صورتیں تین ہیں: وصل کل ، فصل کل ، فصل اول وصل ثانی چوتھی صورت وصل اول فصل ثانی جائز نہیں۔ تفصیل آغازِ کتاب میں مذکور ہو چکی۔

الٓمّٓ : ایسے ہی حرفوں کا نام 'حروف مقطعات' ہے، جو بعض سورتوں کے شروع میں ہیں، اور الگ الگ پڑھے جاتے ہیں۔ اس جگہ لام کے الف میں مد لازم حرفی مثقل اور میم کی یا میں مد لازم حرفی مخفف ہے۔ اور میم کا میم میں ادغام ہے۔ اس لیے بقدر ایک الف غنہ واجب ہے۔ اس میں تین قاعدے ہیں۔ مد لازم کا طول بقدر تین تین الف ہوگا۔

ذَالِکَ : میں مداصلی ہے۔

اَلْکِتَابُ : میں لام تعریف کا اظہار ہے۔

لَا رَیْبَ : میں بحالت وقف مدلین عارض ہوگا۔قاعدہ یہ ہے کہ حرف لین کے بعد وقف کی وجہ سے سکون عارض ہوتو اس کو مدلین عارض کہتے ہیں۔اس میں بھی تینوں وجہیں طول، توسط، قصر جائز ہیں لیکن قصر اولیٰ ہے۔

فِیْہِ : اگر اس پر وقف کیا گیا تو مد عارض ہوگا۔اور اس لفظ کے دونوں جانب جو تین تین نقطے ہیں (لا ریب ∴ فیہ ∴) ان ہی کو علامتِ وقفِ معانقہ کہا جاتا ہے۔اس کا حکم یہ ہے کہ ایسے موقع پر یا تو وصل اول وقف ثانی کیا جائے یا وقف اول وصل ثانی۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ : میں تنوین کا حرف لام میں ادغام ہے۔اور دوسرے لام یعنی لام تعریف کا حروف قمریہ میں سے میم آنے کی وجہ سے اظہار ہے۔

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ : 'یومنون' کا ہمزہ بشکلِ واوٗ لکھا ہے، جس کی تحقیق ہوگی۔اگر جھٹکا صاف نہ ادا کیا گیا تو ابدال حرف کی تقصیر لازم آئے گی۔

بِالْغَیْبِ : میں لام تعریف کا اظہار ہے۔اور یائے لین ہے۔

وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ : میں لام تعریف کا صاد میں ادغام ہے۔اور اگر الصلوٰۃ پر وقف کردیا گیا تو تاے مدورہ ہاے ساکنہ سے بدل جائے گی، اسی کو وقف بالابدال کہتے ہیں۔یہاں پر وقف کی صورت میں مدلازم ہوگا۔

وَ مِمَّا : میں نون ساکن کا میم میں ادغام ہے اس لیے یہاں بوجہ میم مشدد غنہ کرنا واجب ہے۔

یُنْفِقُوْنَ : میں نون ساکن کا اخفا ہے۔قاعدہ ہے کہ نون ساکن اور تنوین کے بعد الف وبا اور حروف حلقی ویرملون کے علاوہ کوئی حرف آئے تو اخفا ہوگا۔اس کی

ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ جس طرح اردو میں لفظ پنکھا، بانس، منگل وغیرہ الفاظ ادا کرنے میں ناک سے آواز نکلتی ہے، اسی طرح نکلے۔ اور واؤ مدہ کو پر پڑھا جائے گا۔

بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَ مَآ اُنْزِلَ : میں دونوں جگہ نون ساکن کا اخفا، اور دونوں 'ما' پر مدِ منفصل ہے۔ مدِ منفصل کا قاعدہ یہ ہے کہ حرف مد کے بعد ہمزہ دوسرے کلمہ میں واقع ہو۔ امام حفص رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے طریق' امام جزری کے نزدیک مدِ منفصل پر مد نہ کرنا بھی ثابت ہے۔

مِنْ قَبْلِکَ : میں اخفا اور قلقلہ کا خیال رکھیں۔

وَ بِالْاٰخِرَۃِ : میں لام تعریف کا اظہار، اور ہمزہ کی تحقیق ہے، اور ہمزہ کو تحقیق سے نہ ادا کیا گیا تو لام مشدد ہو جائے گا یا صورت نقل ہو جائے گی۔ جو روایت حفص میں جائز نہیں۔ اور خا حروف مستعلیہ میں سے ہونے کی وجہ سے پر ہوگی۔ اور را کی تفخیم اس پر زبر ہونے کی وجہ سے ہے۔ قاعدہ ہے کہ را پر زبر یا پیش ہو تو را پر پڑھی جائے گی۔

هُمْ یُوْقِنُوْنَ : هُمْ میں میم ساکن کا اظہار ہے، یُوْقنون کے یُو میں مد اصلی ہوگا۔

اُولٰئِکَ : میں مدِ متصل ہے۔ اس میں صرف توسط ہوگا۔ اور واؤ نہ پڑھا جائے گا۔

عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ : اس میں تنوین کا میم میں اور نون ساکن کا را میں ادغام ہے۔ تنوین کا میم میں ادغام مع الغنہ اور نون کا را میں ادغام بلا غنہ ہوگا۔ پہلے کو ادغام ناقص اور دوسرے کو ادغام تام کہتے ہیں۔

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ : میں لام تعریف کا اظہار ہے۔ اور بحالت وقف مد عارض بھی کیا جائے گا۔ (علیٰ هذا القیاس سائر آیاتِ القرآن الکریم)

ختم قرآن کا طریقہ

قاری کو ختم قرآن کرتے وقت دو باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ ایک یہ کہ جب سورۃ و الضحیٰ پر پہنچے، تو وہاں سے سورۃ و الناس تک کی ہر سورہ کے آخر میں اَللّٰہُ اَکْبَر کہے، اس کو "تکبیر" کہتے ہیں۔ یہ اگرچہ ضروری تو نہیں، تاہم ایک پسندیدہ اور اچھا عمل ہے پھر خواہ ختم ہونے والی سورہ کے آخری لفظ کو تکبیر سے۔ تکبیر کو بسم اللّٰہ سے۔ اور بسم اللّٰہ کو اگلی سورہ سے ملا کر پڑھے یا ان سب پر وقف کر کے پڑھے یا کسی پر وقف کر کے اور کسی کو ملا کر پڑھے سب صورتیں جائز ہیں۔ جس طرح چاہے پڑھے۔ البتہ یہ ایک صورت جائز نہیں کہ سورہ کے آخری لفظ کو تکبیر سے اور تکبیر کو بسم اللّٰہ سے تو ملا کر پڑھا جائے اور الرحیم پر وقف کیا جائے کیوں کہ اگر پہلی دو چیزوں کو ملا دیا ہے تو اب الرحیم پر وقف کرنا جائز نہیں بلکہ اس کو اگلی سورہ سے ملا کر پڑھنا ہی ضروری ہے۔

بعض حضرات اَللّٰہُ اَکْبَر کے ساتھ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور بعض ان دونوں کے ساتھ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ بھی پڑھتے ہیں، یہ اضافہ بھی جائز ہے مگر اس کا خیال رہے کہ اگر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھا ہے تب تو وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ پڑھنا جائز ہے لیکن یہ جائز نہیں کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تو نہ پڑھا جائے اور وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ پڑھ دیا جائے۔

مطلب یہ ہے کہ صرف اَللّٰہُ اَکْبَر، لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَر۔ اور لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَر وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ یہ تین صورتیں جائز ہیں لیکن صرف اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ جائز نہیں۔

اور دوسری بات یہ کہ سورۂ والناس کے آخر پر تلاوت ختم نہیں کر دینی چاہیے بلکہ اسی وقت اور اسی مجلس میں دوسرا قرآن مجید بھی شروع کر دینا چاہیے۔ اور سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی چند ابتدائی آیات یعنی المفلحون تک پڑھ کر قراءت ختم کرنی چاہیے۔ اس عمل کو حدیث پاک میں اَلْحَالُّ الْمُرْتَحِلُ سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کے معنی ہیں ایسا اُترنے والا جو اُترتے ہی پھر آغازِ سفر کر دے۔ یعنی یہ شخص قرآن مجید کا ایسا ختم کرنے والا ہے کہ اس نے ختم کرتے ہی دوسرے قرآن کا آغاز کر دیا ہے، اور تلاوت قرآن سے اُکتایا نہیں۔

اَلْحَالُّ الْمُرْتَحِلُ والے عمل کو حدیث میں افضل الاعمال بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس عمل کی توفیق عطا فرمائے اور تلاوت قرآن کو ہمارے لیے ذریعۂ نجات اور اپنے قرب کا سبب بنائے۔ آمین۔

ختم قرآن کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے۔ اور اپنی دنیوی و اُخروی حاجتیں اس سے مانگنی چاہیے، اور قرآن کریم کی تلاوت میں عمداً و سہواً جو قصور و کوتاہیاں ہوئی ہوں ان کی بابت اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا چاہیے، اور اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ بڑا غفورٌ رحیم اور بے حد مہربان ہے۔

دعاء ہاے ماثورہ

حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لیس شئ أکرم علی اللّٰه منَ الدُّعاء. اللہ کے نزدیک دعا سے بزرگ تر کوئی چیز نہیں۔ [ذیل المدعا: ص۵]

حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: علیکم عباد اللّٰه بالدُّعاء . اے اللہ کے بندو! تم دعائیں کیا کرو۔ [فتاویٰ رضویہ: ۳/۸۵۷]

ختم قرآن کے وقت دعاؤں کی قبولیت یقینی ہوتی ہے۔ اس موقع پر سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات کا دعا مانگنا ثابت ہے، اور بزرگانِ دین نے بھی بوقت ختم قرآن دارین کی سعادتوں کے لیے دعائیں مانگی ہیں، اس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ سعادت ونجابت اور قبولیت واجابت کے اس سنہرے موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیں، اور حسب توفیق، دین ودنیا کی ڈھیر ساری بھلائیاں مبدءِ فیاض پروردگار کی بارگاہ سے طلب کرلیں۔ حدیث پاک میں آیا کہ ختم قرآن کے وقت، پڑھنے والے کو ایک مقبول دعا عطا کی جاتی ہے، خواہ اس کا ثمرہ اسے دنیا میں مل جائے یا پھر اُسے آخرت میں نصیب ہو۔ اسی طرح دارمی نے اپنی مسند میں حضرت حمید بن اعرج سے روایت کیا ہے کہ ختم قرآن کے وقت، کی جانے والی دعاؤں پر چار ہزار فرشتے 'آمین' کہتے ہیں۔ اور حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ختم قرآن کے وقت متواتر رحمتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ نیز فرمایا کہ ختم قرآن کے وقت دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ (نهاية القول المفيد : ۲۹۹)

ذیل کی مندرجہ دعاؤں میں اکثر دعائیں معلم کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تواتراً ثابت ہیں، اور کچھ دعائیں وہ ہیں جنھیں بزرگانِ دین نے اپنے وظائف ومعمولات میں شامل فرمایا ہے۔ اب لیجیے وہ دعائیں پڑھیے، کیف ومستی میں جھومتے جائیے، اور دنیا سے دل پاک کرکے خدا کی بارگاہ میں اس کی قبولیت کی امید رکھیے۔

اَللّٰهم انفعنا و ارفعنا بالقرآن العظیم و بارک لنا بالآیات والذکر الحکیم و تقبل منا انک انت السمیع العلیم و تب علینا انک انت التواب الرحیم ۞ اللّٰهم اجعل القرآن ربیع قلوبنا و نور ابصارنا و شفاء صدورنا وذهاب همومنا و غمومنا ومغفرة لذنوبنا وقضاء لحوائجنا و سائقنا وقائدنا الیک و الیٰ جنّاتک النعیم ۞ اللّٰهم ارحمنا بالقرآن العظیم اللّٰهم اجعله لنا اماما وّهدیٰ وّشفاء وّ رحمة ۞ اللّٰهم ذکّرنا منه ما نسینا وعلّمنا منه ما جهلنا و ارزقنا تلاوته علی النحو الذی یرضیک عنّا آناء اللیل و اطراف النهار واجعله حجة لنا لا علینا یا ارحم الراحمین ۞ اللّٰهم احسن عاقبتنا فی الامور کلّها و اجرنا من خزی الدنیا وعذاب الآخرة ۞ اللّٰهم اقسم لنا من خشیتک ما تحول به بیننا وبین معصیتک ومن طاعتک ما تبلّغنا به جنّتک ومن الیقین ما تهون به علینا مصائب الدنیا ومتّعنا باسماعنا و ابصارنا وقوّتنا ما احییتنا واجعله الوارث منّا واجعل ثارنا علیٰ ظلمنا و انصرنا علیٰ من عادانا ولا تجعل مصیبتنا فی دیننا ولا تجعل الدنیا اکبر همّنا ولا مبلغ علمنا و لا تسلّط علینا من لّا یرحمنا ۞ اللّٰهم انّی اسئلک موجبات رحمتک و عزائم مغفرتک والسلامة من کل اثم وّالغنیمة من کل برّ وّالفوز بالجنة والنجاة من النار برحمتک یا ارحم الراحمین ۞ اللّٰهم انّی اسئلک فواتح الخیر وخواتمه وجوامعه و اوّله وآخره وباطنه وظاهره والدرجات العلیٰ من الجنّة ۞ اللّٰهم اغفرلی وارحمنی وعافنی وارزقنی یا حیّ یا قیّوم برحمتک استغیث ومن عذابک استجیر اصلح لی شانی کلّه ولا تکلنی الیٰ نفسی طرفة عین ۞ اللّٰهم الّف بین قلوبنا واصلح ذات بیننا واهدنا سبیل الرشاد ونجّنا من الظلمات الی النور و جنّبنا الفواحش ما ظهر منها وما بطن وبارک لنا فی اسماعنا وابصارنا وقلوبنا وازواجنا وذرّیّاتنا وتب علینا انک انت التوّاب الرحیم ۔ (تیجان القاری وسراج المبتدی

للقاری حسن بن احمد الملیباری —ص : ۹۹،۱۰۰)

اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ اَنْزَلْتَهٗ شِفَاءً لِّاَوْلِيَائِکَ وَ شِقَاءً عَلٰی اَعْدَائِکَ وَغَمًّا عَلٰی اَهْلِ مَعْصِيَتِکَ فَاجْعَلْهُ لَنَا دَلِيْلاً عَلٰی عِبَادَتِکَ وَعَوْناً عَلٰی طَاعَتِکَ وَاجْعَلْهُ لَنَا حِصْنًا حَصِيْنًا مِّنْ عَذَابِکَ وَحِرْزًا مَّنِيْعًا مِّنْ سَخَطِکَ وَ نُوْرًا يَّوْمَ لِقَائِکَ نَسْتَضِيْءُ بِهٖ فِيْ خَلْقِکَ وَنَجُوْزُ بِهٖ عَلٰی صِرَاطِکَ وَنَهْتَدِيْ بِهٖ اِلٰی جَنَّتِکَ ۞ اَللّٰهُمَّ انْفَعْنَا بِمَا صَرَّفْتَ فِيْهِ مِنَ الْآيَاتِ وَذَكِّرْنَا بِمَا ضَرَبْتَ فِيْهِ مِنَ الْمَثُلَاتِ وَكَفِّرْ بِتِلَاوَتِهٖ عَنَّا السَّيِّئَاتِ اِنَّکَ مُجِيْبُ الدَّعَوَاتِ ۞ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ اَنِيْسَنَا فِي الْوَحْشَةِ وَ مُصَاحِبَنَا فِي الْوَحْدَةِ وَمِصْبَاحَنَا فِي الظُّلْمَةِ وَ دَلِيْلَنَا فِي الْحَيْرَةِ وَ مُنْقِذَنَا فِي الْفِتْنَةِ وَ اعْصِمْنَا بِهٖ مِنَ الزَّيْغِ وَالاَهْوَاءِ وَكَيْدَ الظَّالِمِيْنَ وَمُعْضَلَاتَ الْفِتَنِ ۞ اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ كَرِيْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنَّا وَاهْدِنَا وَ عَافِنَا وَارْزُقْنَا وَ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِيْنَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ۞ اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِيْ دِيْنِيَ الَّذِيْ هُوَ عِصْمَةُ اَمْرِيْ وَ اَصْلِحْ لِيْ دُنْيَایَ الَّتِيْ فِيْهَا مَعَاشِيْ وَاَصْلِحْ لِيْ آخِرَتِيَ الَّتِيْ فِيْهَا مَعَادِيْ وَاجْعَلِ الْحَيَاةَ زِيَادَةً لِّيْ فِيْ كُلِّ خَيْرٍ نِ اجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِّيْ مِنْ كُلِّ شَرٍّ ۞ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ عُمْرِيْ آخِرَهٗ وَ خَيْرَ عَمَلِيْ خَوَاتِمَهٗ وَخَيْرَ اَيَّامِيْ يَوْمَ اَلْقَاکَ فِيْهِ ۞ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ ارْضَ عَنَّا وَتَقَبَّلْ مِنَّا وَادْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَنَجِّنَا مِنَ النَّارِ وَاَصْلِحْ لَنَا شَاْنَنَا كُلَّهٗ ۞ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُکَ خَيْرَ الْمَسْاَلَةِ وَ خَيْرَ الدُّعَاءِ وَخَيْرَ النَّجَاحِ وَخَيْرَ الْعَمَلِ وَخَيْرَ الثَّوَابِ وَخَيْرَ الْحَيَاةِ وَ خَيْرَ الْمَمَاتِ وَثَبِّتْنِيْ وَثَقِّلْ مَوَازِيْنِيْ وَحَقِّقْ اِيْمَانِيْ وَ ارْفَعْ دَرَجَاتِيْ وَ تَقَبَّلْ صَلَاتِيْ وَاغْفِرْ خَطِيْئَتِيْ وَ اَسْئَلُکَ الدَّرَجَاتِ الْعُلٰی مِنَ الْجَنَّةِ ۞ اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الاُمُوْرِ كُلِّهَا وَ اَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَ عَذَابِ الآخِرَةِ ۞ اَللّٰهُمَّ امْلاْ قَلْبِيْ بِنُوْرِکَ وَ اَنْوَارِ مُشَاهَدَتِکَ وَ جَمَالِکَ وَ كَمَالِکَ وَ مَحَبَّتِکَ وَ عِصْمَتِکَ وَ قُدْرَتِکَ وَ عِلْمِکَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ (غیث النفع فی القراءات السبع : للصفاقسی : ۳۳۶ تا ۳۳۹)

اَللّٰھُمَّ اَخْرِجْنَا مِنْ ظُلُمَاتِ الْوَھْمِ وَ اَکْرِمْنَا بِنُوْرِ الْفَھْمِ وَ افْتَحْ عَلَیْنَا بِمَعْرِفَۃِ الْعِلْمِ وَ حَسِّنْ اَخْلَاقَنَا بِالْعِلْمِ وَ سَھِّلْ لَنَا اَبْوَابَ فَضْلِکَ وَانْشُرْ عَلَیْنَا خَزَائِنَ رَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ☼ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ قَدِ اسْتَوْدَعْتُکَ مَا عَلَّمْتَنِیْہِ فَارْدُدْہُ اِلَیَّ عِنْدَ حَاجَتِیْ اِلَیْہِ وَلَا تُنْسِنِیْہِ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ ☼ اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ عِلْماً اَفْقَہُ بِہٖ اَوَامِرَکَ وَ نَوَاھِیَکَ وَ ارْزُقْنِیْ فَھْمًا اَعْلَمُ بِہٖ کَیْفَ اُنَاجِیْکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ فَھْمَ النَّبِیِّیْنَ وَحِفْظَ الْمُرْسَلِیْنَ وَ اِلْھَامَ الْمَلَائِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اَللّٰھُمَّ سَدِّدْنِیْ بِنُوْرِ الْفَھْمِ وَ اَخْرِجْنِیْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْوَھْمِ وَ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ وَ انْشُرْ عَلَیَّ حِکْمَتَکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ☼ اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْعِلْمَ عِنْدَکَ وَ ھُوَ عَنَّا مَحْجُوْبٌ وَّلَا نَعْلَمُ اَمْرًا نَّخْتَارُہٗ لِاَنْفُسِنَا وَ قَدْ فَوَّضْنَا اِلَیْکَ اُمُوْرَنَا وَ رَفَعْنَا اِلَیْکَ حَاجَاتِنَا وَ رَجَوْنَاکَ لِفَاقَاتِنَا وَ فَقْرِنَا فَاَرْشِدْنَا یَا اَللّٰہُ وَ ثَبِّتْنَا وَ وَفِّقْنَا اِلٰی اَحَبِّ الْاُمُوْرِ اِلَیْکَ وَ اَحْمَدِھَا لَدَیْکَ فَاِنَّکَ تَحْکُمُ بِمَا تَشَاءُ وَ تَفْعَلُ مَا تُرِیْدُ وَ اَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ .

اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ بَیْنَنَا وَبَیْنَکَ فِیْ رِزْقِنَا اَحَداً سِوَاکَ وَاجْعَلْنَا اَغْنٰی خَلْقِکَ بِکَ وَاَفْقَرَ عِبَادِکَ اِلَیْکَ وَھَبْ لَنَا غِنیً لَّا یُطْغِیْنَا وَصِحَّۃً لَّا تُلْھِیْنَا وَ اَغْنِنَا عَمَّنْ اَغْنَیْتَہٗ عَنَّا وَاجْعَلْ آخِرَ کَلَامِنَا شَھَادَۃَ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَتَوَفَّنَا وَاَنْتَ رَاضٍ عَنَّا غَیْرَ غَضْبَانَ وَاجْعَلْنَا فِیْ مَوْقِفِ الْقِیَامَۃِ مِنَ الَّذِیْنَ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وَ صَلِّ اللّٰھُمَّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَنَبِیِّکَ وَ رَسُوْلِکَ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا بِقَدْرِ عَظَمَۃِ ذَاتِکَ فِیْ کُلِّ وَقْتٍ وَّحِیْنٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ، آمین . (نھایۃ القول المفید فی علم التجوید للشیخ محمد بن ابی طالب الاندلسی مکی : ۳۰۲)

جمع وتدوین قرآن

قرآن ایک نوشتۂ ربانی ہے، جو اَمین وحی حضرت جبرئیل علیہ السلام کی وساطت سے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اَطہر پر نزول پذیر ہوا۔ یہ ہر قسم کی تحریف وتغییر سے پاک ہے، کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ. فرما کر اس کی حفاظت وصیانت کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمۂ کرم پر رکھ چھوڑا ہے۔ اس لیے قرآن اپنے تمام تر تحفظات کے ساتھ جس طرح سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میمون میں پایا جاتا تھا، ویسے ہی آج بھی موجود ہے اور کل بھی رہے گا۔ ہمارے اس دعوے کے ثبوت میں بے شمار آیات واَحادیث اور اَقوال وآثار شاہد عدل ہیں۔ اس لیے قرآن کے جمع وتدوین کے سلسلہ میں تشکیک آفرینی یا ضعیف الاعتقادی' کامل الایمان مسلمانوں کا شیوہ نہیں۔

قارئین کرام! قرآن کے جمع وترتیب کی تاریخ ایک طویل ترین بحث پر مشتمل ہے، جسے ہم ''تدوین قرآن'' مصنفہ: علامہ محمد احمد مصباحی- پرنسپل الجامعۃ الاشرفیہ -مبارک پور- سے ملخص ومختصر کرکے پیش کررہے ہیں، شاید کہ آپ کی معلومات میں اضافے کا سبب بنے۔

نزول قرآن: جمہور مفسرین اور تمام اَربابِ تحقیق اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ قرآن کریم ماہِ رمضان اور شب قدر میں یک بارگی لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کی طرف اُتارا گیا، قرآن مجید اور صریح وصحیح احادیث سے اسی کی تائید

ہوتی ہے۔ قرآن خود بیان فرماتا ہے :

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ ○ (البقرہ: ۱۸۵)

رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اُترا۔ (کنزالایمان)

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ○ (القدر: ۱)

بے شک ہم نے اسے شب قدر میں اتارا۔ (کنزالایمان)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ شب قدر میں قرآن کریم یک بارگی آسمانِ دنیا کی طرف اُتارا گیا............ پھر اللہ تعالیٰ‘ یکے بعد دیگرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑا تھوڑا نازل فرماتا رہا۔ (المستدرك: ۲/ ۲۲۲)

حکمتِ تنزیل : مذکورہ بالا نصوص سے معلوم ہوا کہ قرآن لوح محفوظ سے یکبارگی، رمضان کے مہینے، اور قدر کی رات میں آسمان دنیا کی طرف اتارا گیا، پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا قریباً تیئس سال کی غیر معمولی مدت تک حضور اکرم ﷺ پر نازل ہوتا رہا۔ اس طریقۂ تنزیل کی حکمت خود قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے :

وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا وَّ لَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِیْرًا ○ (الفرقان: ۳۲، ۳۳)

اور کافر بولے قرآن ان پر ایک ساتھ کیوں نہ اتار دیا، ہم نے یوں ہی بتدریج اسے اتارا ہے کہ اس سے تمہارا دل مضبوط کریں، اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا اور وہ کوئی کہاوت تمہارے پاس نہ لائیں گے مگر ہم حق اور اس سے بہتر بیان لے آئیں گے۔ (کنزالایمان)

دوسری آیت میں ہے :

وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّ نَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا○

(بنی اسرائیل : ١٠٦)

اور قرآن ہم نے جدا جدا کر کے اتارا کہ تم اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھو، اور ہم نے اسے بتدریج رہ رہ کر اتارا۔ (کنزالایمان)

المرشد الوجیز فیما یتعلق بالقرآن العزیز میں ابوشامہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں :

السر فی انزاله جملة الی السماء تفخیم أمره و أمر من نزل علیه و ذٰلک باعلام سکان السمٰوات السبع أن هٰذا آخر الکتب المنزلة علی خاتم الرسل لأشرف الأمم ، قد قربناه الیهم لننزله علیهم . ولو لا أن الحکمة الالٰهیة اقتضت رسوله الیهم منجما بحسب الوقائع لهبط به الی الارض جملة کسائر الکتب المنزلة قبله ، ولکن اللّٰه باین بینه وبینها، فجعل له الأمرین انزاله جملة ثم أنزله مفرقا ، تشریفا للمنزل علیه . (الاتقان : ١/٤٠)

اُسے یک بارگی آسمان کی طرف نازل فرمانے میں حکمت یہ ہے کہ قرآن اوراس ذات کی عظمت کا اظہار ہو جس پر قرآن نازل ہوا، وہ اس طرح کہ ساتوں آسمانوں کے رہنے والوں کو پہلے ہی خبردار کردیا جائے کہ یہ آخری کتاب ہے جو آخری پیغمبر پر سب سے بہتر امت کے لیے نازل ہونے والی ہے، ہم نے اسے ان کے قریب کردیا ہے تا کہ ان پر اسے بتدریج نازل فرمائیں۔ اور اگر حکمت الٰہیہ کا تقاضا یہ نہ ہوتا کہ بلحاظ واقعات وحوادث تھوڑی تھوڑی ان تک پہنچے تو اس سے پہلے نازل شدہ

دیگر کتابوں کی طرح یہ بھی یکبارگی اُتاری جاتی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس آخری کتاب اور دوسری آسمانی کتابوں کا معاملہ جدا رکھا۔اسے دونوں طرز بخشے، یکبارگی نزول ، پھر جدا جدا نزول۔تاکہ اس ذات کا شرف ظاہر ہو جس پر اس کا نزول ہوا۔

ان بیانات سے معلوم ہوا کہ قرآن تھوڑا تھوڑا نازل فرمانے میں چند حکمتیں تھیں:

(۱) مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی تسکین وتقویت کا سبب ہو اور کفار ومشرکین کی اذیتوں کے مقابلہ میں لطف کریم سے تسلی ملتی رہے، اور انھیں ہر اذیت پر خدا کی طرف سے صبر کی تلقین ہوتی رہے۔

(۲) بارِ نزول سے خدا کے اعزاز اور عنایات کا ظہور ہوتا رہے۔وصول آیات اور فرشتۂ یزدانی کی ملاقات سے بے پایاں مسرتیں حاصل ہوتی رہیں۔

(۳) مشرکین کے اعتراضات کا جواب دیا جاتا رہے۔

(۴) واقعات وحوادث کے مطابق نزول اور اُن پر تنبیہ ہوتی رہے۔

(۵) احکام شرعیہ کا نفاذ بتدریج ہو، تاکہ امت پر گراں نہ ہوں۔

(۶) قرآن کا حفظ، قرآن کا فہم واخذ امت پر سہل ہو۔

(۷) اس بات کی رہنمائی بار بار ہوتی رہے کہ قرآن کا کوئی نازل فرمانے والا ہے جس کی طرف سے تنزیل ہوا کرتی ہے۔

حفاظت قرآن : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو آیات اترتیں انھیں بڑے اہتمام سے خود یاد کرتے ، پھر صحابہ کو سناتے ، حفظ کی کوشش یہاں تک تھی کہ درمیانِ نزول، قراءت جبرئیل کے ساتھ خود بھی تلاوت کرتے جاتے کہ کہیں یاد ہونے سے رہ نہ جائیں، نزول قرآن کا باریوں ہی بے پناہ گراں: **لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعاً مُّتَصَدِّعاً مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ** ۝ (الحشر:

۲۱) (اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور تو اسے دیکھتا جھکا ہوا پاش پاش ہوتا اللہ کے خوف سے۔) اس پر یہ مشقت اور ہی گراں۔ اس کریم و رحیم پروردگار کو جسے محبوب کے احوال کا بڑا ہی لحاظ تھا، یہ مشقت مزید گوارا نہ ہوئی، فرمایا :

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ٥ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ٥ (القیامة : ١٦، ١٧)

تم یاد کرنے کی جلدی میں قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو، بے شک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ (کنزالایمان)

مگر یہ امر قابل توجہ ہے کہ اس جمع ربانی کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفاظت قرآن کا وہ بے مثال انتظام فرمایا کہ عہد رسالت ہی میں قرآن کریم کے ضیاع اور تحریف و تبدیل کا خوف جاتا رہا۔ ایک طرف تو صحابۂ کرام کو حفظ قرآن کی ترغیب دی، دوسری طرف عرب کی بے نظیر قوت حافظہ کے باوجود کتابت قرآن کا انتظام فرمایا، حالاں کہ عرب کا حافظہ مشہور ہے۔ ہزارہا اشعار، قصائد، اُرجوزے اور روایات ان کو زبانی یاد ہوتیں، شعری مقابلوں میں اپنی قوت حافظہ پر فخر کرتے، کسی چیز کو لکھ کر یاد کرنا اپنے لیے کسر شان سمجھتے، مگر ان سب کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا معاملہ صرف حفظ تک محدود نہ رکھا بلکہ اس کی کتابت کا بھی اہتمام فرمایا، جتنا قرآن نازل ہوتا بحکم رسول ﷺ اس کی کتابت بھی ہو جاتی۔ اس طرح زمانہ رسالت ہی میں نزولِ قرآن مکمل ہونے کے ساتھ، کتابت قرآن بھی مکمل ہوگئی، اور یہی وہ تدوین و کتابت ہے جو زمانہ مابعد میں قرآنی خدمت کی اَساس اور بنیاد قرار پائی۔

ظہور اسلام کے وقت قریش کے قریباً سترہ آدمی کتابت سے واقف تھے، ان میں حضرت علی، عمر، عثمان، طلحہ، ابوسفیان اور معاویہ بھی شامل ہیں............ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت کے فروغ پر خصوصی توجہ فرمائی۔ غزوۂ بدر میں جب قریش کے کچھ ایسے افراد بھی گرفتار ہوئے جو کتابت سے آشنا تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کا یہ فدیہ قبول فرمایا کہ وہ دس مسلمان لڑکوں کو لکھنا سکھا دے۔ اس طریق کار سے لکھنے والوں کی ایک خاصی جماعت پیدا ہوگئی، اور عرب میں کتابت کو عام فروغ حاصل ہوا۔ بہر حال! یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ عرب اور خصوصاً مسلمانوں میں کتابت سے آشنا افراد ضرور موجود تھے، جن کے ذریعہ عہد رسالت میں قرآن کی کتابت ہوتی رہی۔

قرآن حسب ضرورت و مصلحت نازل ہوتا رہا، کبھی پانچ آیات، کبھی دس، کبھی کم و بیش۔ قصہ افک میں یک بارگی دس آیات کا نزول، اسی طرح سورۂ مومنون کی ابتدائی دس آیات کا ایک ساتھ نزول' صحیح روایات میں مذکور ہے۔ یوں ہی تنہا 'غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ ' کا نزول روایت صحیحہ سے ثابت ہے۔ اور یہ جزو آیت ہے۔ وَ اِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ کا نزول بھی اول آیت کے نزول کے بعد ہوا، یہ بھی جزو آیت ہے۔ (الاتقان: ۴۲/۱، ۴۳) بہر حال جتنا بھی قرآن نازل ہوتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کتابت کرا لیتے۔

نوٹ : جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ "جاہلیت" کے زمانہ میں آشنائے کتابت کون تھا کہ ابتدائے نزول ہی سے کتابت بھی ہونے لگی' وہ سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں، ایک تو تاریخ سے بے خبری، دوسری 'جاہلیت' کے صحیح مفہوم سے ناآشنائی —— 'جاہلیت' ایک خاص مفہوم رکھتا ہے، جس سے ایک دور اور اس کے کردار و احوال کی تعبیر کی جاتی ہے، یہ معنی نہیں کہ اس زمانے میں علم و فن سے کوئی آشنا ہی نہ تھا، اس وقت بھی عرب میں کئی علوم رائج تھے، مگر وہ علم صحیح کی قدریں پامال کر رہے تھے، ان کا ماحول' اخلاق و کردار کے اعتبار سے متعفن تھا، وہ بے حیائی و بدکرداری پر فخر کیا کرتے، ان ہی حالات کی بنا پر اس دور کو دورِ جاہلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے —— کچھ ویسے ہی بلکہ اس سے بھی بدتر حالات، آج یورپ میں پیدا ہو چکے ہیں، اس خاص اصطلاح کے پیش نظر مغرب کو اس کی تمام تر ایجادات، علم و فن اور دنیاوی ترقیوں کے باوجود نمونۂ 'جاہلیت' کہا جا سکتا ہے۔ ۱۲ منہ

عارف باللہ حضرت حارث محاسبی [م ۲۴۳ھ] فرماتے ہیں :

کتابة القران لیست بمحدثة فانه صلی اللہ علیه وسلم کان یامر بکتابته ولکنه کان مفرقا فی الرقاع والاکتاف والعسب .

یعنی قرآن کی کتابت، زمانۂ رسول کے بعد کی پیدا شدہ چیز نہیں، بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی کتابت کراتے تھے، لیکن اس وقت قرآن چرمی پارچوں (اونٹ کے مونڈھوں کی) ہڈیوں اور کھجور کی شاخوں میں لکھا ہوا منتشر تھا۔

ان بیانات سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جتنا قرآن نازل ہوتا وہ قید تحریر میں آجاتا۔اس طرح سرکار کے زمانہ ہی میں پورا قرآن لکھا جاچکا تھا مگر ترتیب آیات وسور کے ساتھ یکجا نہ تھا۔

عہد رسالت میں قرآن علاحدہ علاحدہ اوراق میں تھا، عہد صدیقی میں علاحدہ علاحدہ صحیفوں میں الگ الگ سورتیں لکھی گئیں، اور عہد عثمانی میں ایک مصحف کے اندر تمام آیات وسُوَر مرتب ہوئیں، مگر اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ زمانۂ نبوی میں اگر کتابۃً اوراق میں قرآن مرتب نہ تھا تو حفظاً سینوں میں بھی مرتب نہ تھا۔آگے معلوم ہوگا کہ قرآن کی آیتوں اور سورتوں کے درمیان جو ترتیب عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں صحف ومصاحف کے اندر قائم ہوئی، یہ وہی ترتیب ہے جو بعہد رسالت سینۂ حفاظ میں تھی، اور جسے صحابۂ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتوقیف سے حاصل کیا تھا۔

عہد صدیقی میں قرآن کی تدوین ثانی

ماسبق میں آپ یہ پڑھ آئے ہیں کہ عہد رسالت میں پورے قرآن مجید کی کتابت ہو چکی تھی، مگر اس وقت تک آیات قرآنیہ چرمی پارچوں، سنگی تختیوں اور دوسری چیزوں میں منتشر اور غیر مرتب تھیں، مرتب اور یکجا اگر تھیں تو حفاظ کے سینوں میں۔ مگر مسلمان ایک ایسے معرکے سے دوچار ہوئے کہ قرآن کی یک جا کتابت ناگزیر ہو گئی۔

تاریخ شناسوں پر مخفی نہ ہوگا کہ مسیلمہ کذاب' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں دعویٰ نبوت کر چکا تھا، وفاتِ سید عالم ﷺ کے بعد جب بہت سے قبائل عرب' اسلام سے منحرف ہوئے تو مسیلمہ بھی زور پکڑ گیا، اس کے شر وفتنہ کی مدافعت کے لیے ۱۱ھ میں امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں کثیر جماعت صحابہ پر مشتمل ایک فوج بھیجی، جس نے مسیلمہ اور اس کے حامیوں سے سخت معرکہ آرائی کی اور ان کے پرخچے اُڑا دیے، مسیلمہ خائب وخاسر ہوا اور قتل کیا گیا۔ تاریخ میں یہ واقعہ ''جنگ یمامہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس جنگ میں قریباً بارہ سو صحابہ کرام شہید ہوئے۔ عینی ومرقات میں ہے کہ صرف حفاظ شہدا کی تعداد سات سو (۷۰۰) تک تھی .... یہ ایک ایسا دل دوز واقعہ بن گیا جس نے صحابہ کے اربابِ حل وعقد کو چونکا دیا، قرآن کی یکجا کتابت لازمی سمجھی گئی، اور اس طرح خلافت اِسلامیہ کی نگرانی میں قرآن کی تدوین ثانی کا کام شروع ہوا۔

امام احمد وغیرہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے تدوین ثانی کی تفصیل یوں روایت کی ہے، فرماتے ہیں :

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جنگ یمامہ کے بعد میرے پاس آدمی بھیج کر مجھ کو طلب فرمایا، میں ان کے یہاں حاضر ہوا، تو حضرت عمر بھی

وہاں موجود تھے۔ حضرت ابوبکر نے مجھ سے فرمایا: عمر نے مجھ سے آکر کہا کہ جنگ یمامہ میں حفاظ قرآن کی بڑی شدید خوں ریزی ہوئی ہے، مختلف معرکوں میں حفاظ کی شہادت کا یہی نقشہ رہا تو مجھے اندیشہ ہے کہ بہت سارا قرآن (ان کے ساتھ ہی) چلا جائے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ آپ ''جمع قرآن'' کا حکم دیں۔ اس پر میں نے عمر سے کہا: ہم کوئی ایسا کام کیسے کرسکتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ عمر نے کہا: هُوَ وَاللّٰهِ خَيْرٌ. بخدا! یہ کام تو بہتر ہی ہے۔ عمر مجھ سے اس معاملہ میں گفت وشنید کرتے رہے، یہاں تک کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ کھول دیا، اور میری رائے بھی وہی ہوگئی جو عمر کی تھی۔

حضرت زید بن ثابت کہتے ہیں کہ صدیق اکبر نے مجھ سے کہا: تم عقل مند جوان ہو، تم پر ہماری کوئی تہمت بھی نہیں ہے، تم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے، تم تلاش وتتبع اور چھان بین کر کے قرآن جمع کرو۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فو الله لو كلفوني نقل جبل من الجبال ما كان أثقل مما أمرني به من جمع القرآن .

خدا کی قسم! اگر مجھے پہاڑ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کا حکم دیتے تو یہ مجھ پر ''جمع قرآن'' کی اہم ذمہ داری سے زیادہ گراں نہ ہوتا۔

میں نے عرض کیا آپ حضرات ایک ایسا کام کیسے کریں گے جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا۔ صدیق اکبر نے جواب دیا: **هو و الله خير**. بخدا! یہ کام تو بہتر ہی ہے۔

فلم يزل يراجعني أبو بكر حتى شرح الله صدري للذي شرح له صدر أبي بكر و عمر .

اس پر ان سے میری گفت وشنید جاری رہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لیے کھول دیا جس کے لیے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا سینہ کھول دیا تھا۔

فتتبعت القرآن أجمعه من العسب اللخاف و صدور الرجال.

تو تلاش وتتبع اور چھان بین کر کے میں درخت خرما کی شاخوں، سنگی تختیوں اور آدمیوں کے سینوں سے قرآن جمع کرنے لگا۔

یہاں تک کہ سورۂ توبہ کا آخری حصہ **لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ** سے آخر سورہ تک (کل دو آیتیں) میں نے حضرت ابوخزیمہ انصاری کے پاس پایا، ان کے علاوہ اور کسی کے پاس نہ پایا۔ اس تدوین سے صحیفے تیار ہو گئے (ہر سورہ ایک الگ صحیفے میں تھی، اس طرح سورہ کی تمام آیات یکجا ہو گئیں) یہ صحیفے حضرت ابوبکر صدیق کی زندگی میں ان ہی کے پاس رہے، ان کے بعد حضرت عمر کے پاس آئے، ان کی شہادت کے بعد ام المومنین حضرت حفصہ بنت فاروق کے پاس رہے۔ (بخاری: ۲/۷۴۷- کنز العمال: ۱/۲۷۹)

تدوین ثانی کے خصائص: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قرآن کی تدوین اور آیات قرآن کی تحقیق وتفتیش اور تلاش وتتبع میں مندرجہ ذیل امور کو ملحوظ رکھا:

(۱) عہد رسالت کا کتابت شدہ قرآن' جو چرمی پارچوں، سنگی تختیوں اور دوسری چیزوں میں منتشر تھا، یکجا کر کے پیش نظر رکھا، یہ وہ اصل تھی جسے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے املا کرایا تھا، اور حسب روایت حضرت زید سے بعد املا پڑھوا کر سنا تھا، جہاں کہیں اصلاح کی ضرورت تھی، اصلاح بھی فرما دی تھی۔

(۲) لوگوں کے پاس، صحیفوں، تختیوں یا دوسری چیزوں میں جو مختلف نسخے اور اجزا تھے سب حتی الامکان جمع کر کے پیش نظر رکھے۔

(۳) ہر آیت کی تصدیق کم از کم دو حافظوں سے کرتے جاتے، مزید برآں خود بھی حافظ تھے۔

اس عظیم اہتمام اور تفتیش و تحقیق کے ذکر میں حدیث مذکور کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں جن سے قدرے تفصیل کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تدوین ثانی کتنی مشقت اور جاں فشانی کے ساتھ سرانجام دی گئی۔ مثلاً

ہشام بن عروہ سے مروی کہ جب قراء کی شدید خوں ریزی ہوئی۔ حضرت ابوبکر کو قرآن کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوا۔ حضرت عمر بن خطاب اور زید بن ثابت سے فرمایا: دروازۂ مسجد پر بیٹھو، تمہارے پاس جو شخص کتاب اللہ کے کسی حصے پر دو گواہ لائے تو اسے لکھ لو۔ (کنز العمال: ۱/۲۸۰)

تدوین ثانی کا مقصد صرف یہ تھا کہ قرآن کا ایک نسخہ مجتمع شکل میں تیار ہو جائے اور وقت ضرورت وہ مرجع و معتمد بن سکے۔ اس کے لیے منتشر اجزا کو یکجا کر کے ترتیب سے لکھ لینا کافی تھا، اور دو شاہدوں کی تلاش، تفتیش و تحقیق، دوسرے نوشتوں کی چھان بین، محض اطمینان کلی، احتیاط مزید اور تنقیح کامل کے لیے تھی۔

بہر حال! 'جمع قرآن' صدیق اکبر کا بہت زبردست کارنامہ اور امت مسلمہ پر ان کا احسان عظیم ہے، جو رہتی دنیا تک ان کے فضائل و محاسن میں شمار کیا جائے گا۔

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تدوین قرآن کے سلسلے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت و کرامت کا برملا اعتراف کیا:

أعظم الناس فی المصاحف اجرا أبو بکر – رحمة اللّٰہ علی أبی بکر هو أول من جمع کتاب اللّٰہ .

مصاحف میں سب سے زیادہ عظیم اُجر حضرت ابوبکر کا ہے۔ ابوبکر پر اللہ کی رحمت ہو، یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے کتاب اللہ کی تدوین فرمائی۔

(کنز العمال: ۱/۲۷۹ – فتح الباری: ۹/۹)

عہد عثمانی میں قرآن کی تدوین ثالث

اختلافِ لُغات : جیسے اردو کے بعض محاورات والفاظ میں خود فصحاے اہل زبان کا اختلاف ہے اسی طرح مختلف قبائل عرب کا عربی زبان میں بہت کچھ اختلاف تھا۔ مثلاً بنی ہذیل حتّٰی کو عتّٰی کہتے۔ اہل مدینہ کے یہاں تابوت کا تلفظ تابُوَہ تھا۔ بنی قیس کافِ تانیث کے بعد ش بولتے ضربَکِ کی بجائے ضربَکِش کہتے۔ اس طریق تلفظ کو کشکشۂ قیس سے تعبیر کیا جاتا۔ بنی تمیم 'اَنْ' ناصبہ کو 'عن' کہتے۔ اس طرح کے بہت سے اختلاف تھے۔ یوں ہی طرزِ ادا مثلاً تفخیم وترقیق (پُر اور باریک پڑھنا) ادغام، اظہار، امالہ، تحقیق ہمزہ، تخفیف ہمزہ وغیرہ میں خاصا اختلاف تھا۔

قرآن مجید پہلے ایک زبان' زبانِ قریش میں نازل ہوا۔ مگر چوں کہ ابتداءً جب کہ مختلف قبائل عرب اسلام میں نئے نئے داخل ہو رہے تھے، اور ان میں بوڑھے، بچے، جوان، مرد، عورت، خواندہ، ناخواندہ سبھی تھے، تو ایسی حالت میں سب کے لیے زبانِ قریش کی پابندی، اپنے قبیلے کی زبان اور طریق ادا کا ترک بہت دشوار تھا، اگر سب کے لیے یہ پابندی لگادی جاتی تو بہت کم لوگ قرآن سیکھ پاتے، حالاں کہ احکام دین کی اشاعت کے پیش نظر قرآن کی بھی تعلیم واشاعت ضروری تھی، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خداوند کریم سے دعاے تسہیل کی۔ فرماتے ہیں :

أرسل الى أن أقرأ القرآن علىٰ حرف، فرددت اليه أن هوّن علـى أمتى، فرُدّ الى الثانية ، أقرأه علىٰ حرفين فرددت اليه أن هـوّن عـلـى أمتى فرد الى الثالثة أقرأه على سبعة أحرف ،

ولک بکل رَدّة رددتکها مسئلة تسألنیها ، فقلت اللهم اغفر لأمتی ، اللهم اغفر لأمتی ، وأخرت الثالثة لیوم یرغب الی الخلق کلهم حتیٰ ابراهیم علیه السلام .

باری تعالٰی کی طرف سے مجھے پیغام ملا کہ ایک حرف (زبان) پر قرآن پڑھوں، میں نے بارگاہِ ایزدی میں رجوع کیا کہ میری امت پر آسانی فرما، دوسری بار جواب ملا، دو زبانوں پر پڑھو۔ میں نے پھر اس کی بارگاہ میں رجوع کیا کہ میری امت پر آسانی فرما۔ تیسری بار جواب آیا، سات زبانوں پر پڑھو اور ہر بار کی مراجعت و جواب کے بدلے تمھیں مجھ سے ایک دعا کرنے کا حق دیا جاتا ہے (جو قبول ہوگی تو تین بار کے بدلے تین دعا اور اس کی مقبولیت حضور کو دی گئی) میں نے عرض کیا: خداوندا! میری امت کی مغفرت فرما۔ خداوندا! میری امت کی مغفرت فرما۔ اور تیسری دعا میں نے اس دن کے لیے اُٹھا رکھی جس دن ساری مخلوق میری مشتاق (اور میری شفاعت کی طالب) ہوگی، یہاں تک کہ (ذوالعزم پیغمبر) حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی (جو بعد سرور کائنات تمام انبیاو رسل سے افضل ہیں علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أنـزل القراٰن علیٰ سبعة أحرف . قرآن سات حرفوں (زبانوں) پر نازل فرمایا گیا۔

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :

اکثر حضرات کا قول یہ ہے کہ سات حرفوں سے مراد وہ سات زبانیں ہیں جو عرب میں مشہور تھیں، اور جن کے فصیح ہونے کی شہادت موجود ہے۔ وہ قریش، طی، ہوازن، اہل یمن، ثقیف، ہذیل اور بنی تمیم کی زبانیں ہیں۔

واضح رہے کہ زبانوں کے اختلاف سے اصل معانی میں کوئی تبدیلی نہ ہوتی، سب کا معنی ایک تھا۔ جلیل القدر تابعی حضرت ابن شہاب زہری سے مروی ہے :

بلغني أن تلك السبعة الأحرف انما هي في الأمر تكون واحدا لا تختلف في حلال و حرام .

مجھے خبر ملی ہے کہ یہ ساتوں زبانیں دین کے معاملہ وحکم میں ایک ہوتیں، ان میں کسی حلال وحرام کا اختلاف نہ تھا۔

تدوین ثالث کے اسباب ومحرکات : اس ضروری تمہید کے بعد 'تدوین ثالث' کے اسباب ومحرکات کا سمجھنا آسان ہوگیا۔

عمارہ بن غزیہ کی روایت میں ہے :

حضرت حذیفہ ایک جنگ سے واپس آئے تو گھر جانے سے پہلے حضرت عثمان کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے امیر المومنین! لوگوں کو تھامیے۔ فرمایا: کیا بات ہے؟ کہا میں سرحد ارمینیہ کی لڑائی میں شریک ہوا تو دیکھا کہ شام والے ابی بن کعب کی قراءت پر قرآن پڑھتے ہیں، جسے اہل عراق نے نہیں سنا۔ اور عراق والے ابن مسعود کی قراءت پر پڑھتے ہیں جسے اہل شام نے نہیں سنا تو ایک دوسرے کی تکذیب کرتا ہے۔ (عمدۃ القاری للعینی: ۲۰/۱۸-ارشاد الساری: ۷/۳۵۸)

خود حضرت عثمان کے یہاں بھی اس طرح کا اختلافی مقدمہ پہنچا۔ ابن اشتہ نے ابو قلابہ سے بطریق ایوب روایت کی ہے، انھوں نے فرمایا: بنی عامر کے انس بن مالک نامی ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت عثمان کے زمانے میں لوگوں نے قرآن کے بارے میں اختلاف کیا، یہاں تک کہ لڑکے اور معلمین ایک دوسرے سے جنگ کر بیٹھے۔ معاملہ عثمان تک پہنچا تو انھوں نے فرمایا :

عـنـدي تـكـذبون به وتلحنون فيه فمن نأى عني كان أشد تكذيبا و أكثر لحنا . (الاتقان : ۱/ ٦۱)

میرے یہاں تم اس میں جھٹلاتے اور اس میں غلطی کرتے ہو تو جو مجھ سے دور ہیں وہ تو تم سے بھی زیادہ تکذیب اور غلطی میں مبتلا ہوں گے۔

یہ ایک فتنے کی ابتدا تھی جس کا انجام بڑا ہی خطرناک اور اندوہ ناک ہوسکتا تھا اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے دِفاع کے لیے ممتاز صحابہ کرام کو جمع کر کے مشورہ کیا، اور اپنی رائے پیش کی جس پر تمام حضرات نے فیصلہ کر دیا کہ اب ضروری ہو گیا ہے کہ تمام قبائل عرب بلکہ ساری دنیا کو ایک لغت پر جمع کر دیا جائے، اور زبان نزول کے مطابق قرآن کے متعدد نسخے تیار کرا کے مختلف دیار و امصار میں بھیج دیے جائیں اور سب کے لیے اسی کی پابندی ضروری قرار دی جائے۔

تدوین ثالث کی کیفیت : تدوین اول کی کیفیت بس یہ تھی کہ پورا قرآن لکھ لیا گیا تھا، تمام سورتوں، اور تمام سورتوں کی جملہ آیات کے درمیان ترتیب نہ تھی، تدوین ثانی میں ہر سورہ کی تمام آیات ترتیب سے لکھی گئیں، اور الگ الگ سورتوں پر مشتمل صحیفے تیار ہو گئے، مگر خود سورتوں کے درمیان باہمی ترتیب قید تحریر میں نہ آسکی۔ اس لیے عہد عثمانی میں قرآن کے متعدد نسخے تیار کرانے کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رکھا گیا کہ قرآن کی ایک ''تیسری تدوین'' ہو جائے، جس میں سورتوں کی باہمی ترتیب بھی ہو، اور جو قرآن الگ الگ سورتوں پر مشتمل 'صحیفوں' کی شکل میں ہے۔ اسے ایک 'مصحف' کی شکل دے کر پورے قرآن کی یکجا شیرازہ بندی کر دی جائے۔ الغرض! جب مصاحف میں صحیفوں کی نقل ہو گئی، تو حضرت عثمان نے ام المومنین حضرت حفصہ کو وہ صحیفے واپس کر دیے اور تدوین شدہ مصاحف میں سے ایک ایک مصحف ہر اہم اسلامی شہر میں بھیج دیا۔ اور اسی پر اجماع واتفاق ہو گیا۔

عہد عثمانی میں قرآن کی تدوین ثالث

اختلافِ لغات : جیسے اردو کے بعض محاورات والفاظ میں خود فصحاے اہل زبان کا اختلاف ہے اسی طرح مختلف قبائل عرب کا عربی زبان میں بہت کچھ اختلاف تھا۔ مثلاً بنی ہذیل حتّٰی کو عتّٰی کہتے۔ اہل مدینہ کے یہاں تابوت کا تلفظ تابُوَہ تھا۔ بنی قیس کافِ تانیث کے بعد ش بولتے ضربکِ کی بجائے ضربکِش کہتے۔ اس طریق تلفظ کو کشکشہ قیس سے تعبیر کیا جاتا۔ بنی تمیم 'اَنْ' ناصبہ کو 'عن' کہتے۔ اس طرح کے بہت سے اختلاف تھے۔ یوں ہی طرزِ ادا مثلاً تفخیم وترقیق (پر اور باریک پڑھنا) ادغام، اظہار، امالہ، تحقیق ہمزہ، تخفیف ہمزہ وغیرہ میں خاصا اختلاف تھا۔

قرآن مجید پہلے ایک زبان' زبانِ قریش میں نازل ہوا۔ مگر چوں کہ ابتداءً جب کہ مختلف قبائل عرب اسلام میں نئے نئے داخل ہورہے تھے، اوران میں بوڑھے، بچے، جوان، مرد، عورت، خواندہ، ناخواندہ سبھی تھے، توایسی حالت میں سب کے لیے زبانِ قریش کی پابندی، اپنے قبیلے کی زبان اور طریق ادا کا ترک بہت دشوار تھا، اگر سب کے لیے یہ پابندی لگادی جاتی تو بہت کم لوگ قرآن سیکھ پاتے، حالاں کہ احکام دین کی اشاعت کے پیش نظر قرآن کی بھی تعلیم واشاعت ضروری تھی، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خداوند کریم سے دعاے تسہیل کی۔ فرماتے ہیں :

أرسل الی أن أقرأ القرآن علیٰ حرف، فرددت الیه أن هوّن علی أمتی، فرُدّ الی الثانیة ، أقرأه علیٰ حرفین فرددت الیه أن هوّن علی أمتی فرد الی الثالثة أقرأه علی سبعة أحرف ،

اعراب لگانے کا داعیہ یہ واقعہ بنا کہ انھوں نے ایک شخص کو اِنَّ اللّٰہَ بَرِیْئٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ وَ رَسُوْلِہٖ (بکسر لام) پڑھتے سنا (جس کا معنی یہ ہو جاتا ہے کہ بیشک اللہ مشرکوں سے بری ہے اور اپنے رسول سے) یہ غلطی کوئی معمولی نہیں، بہت بڑی تھی، انھوں نے فرمایا: معاذ وجہ اللہ من أن یبری من رسولہٖ (خدا کی پناہ اس سے کہ وہ اپنے رسول سے بری ہو) انھیں اعراب کی ضرورت کا شدت سے احساس ہوا، جس کے بعد انھوں نے اعراب وضع کیا۔

پھر خلیل بن احمد فراہیدی رضی اللہ عنہ نے تشدید، مد، ہمزہ، جزم، وصل اور حرکات کی علامتیں ایجاد کیں، اور کسرہ، فتحہ، ضمہ (زیر، زبر، پیش) کی وہ صورتیں وضع کیں جو آج ہیں۔

قرآن میں منازل کے نشانات حجاج بن یوسف کی تحریک پر حسن اور یحییٰ بن یعمر عدوانی رضی اللہ عنہما نے لگائے۔ دس آیت کے اختتام پر ایک علامت [ے] کی ایجاد مامون عباسی کے زمانے میں ہوئی۔ رکوع کی علامت بھی اسی زمانے میں مقرر ہوئی اس طرح کہ نماز میں تراویح میں جتنی مقدار پڑھ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رکوع کیا کرتے، اس کے اختتام پر کنارے یہ علامت [ع] لگا دی گئی۔

(تفسیر روح البیان: ۹/۹۹۔ تفسیر نعیمی: مقدمہ بحوالہ تدوین قرآن: ص ۹ تا ۱۲۹)

قرآن! ایک نظر میں

قرآنی معلومات عامہ کے حوالے سے ذیل میں ایک اجمالی خاکہ پیش کر رہے ہیں جس سے قرآن کے کلمات وحروف وغیرہ کی تعداد پر آگاہی بآسانی ہو جائے گی، مگر یہ کوئی حتمی اعداد وشمار نہیں۔ درحقیقت ان کا حقیقی علم تو قادر مطلق پروردگار ہی کو ہے۔

پہلی وحی :

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۝ (سورہ علق: آیت ۱تا۵)

آخری وحی :

وَ اتَّقُوۡا یَوۡمًا تُرۡجَعُوۡنَ فِیۡہِ اِلَی اللّٰہِ ۝ (البقرہ : ۲۸۱)

اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ۝ (المائدۃ : ۳)

کاتبانِ وحی :

کم وبیش ۴۰ ر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

قرآن کی مدت نزول :

تقریباً ۲۲ ر سال، ۵ ر ماہ، ۱۴ ر دن

عمومی تقسیم :

پارے : ۳۰ — منزلیں : ۷

سورتیں : ۱۱۴ — رکوعات : ۵۵۸

آیات : ۶۲۳۶

سجدہائے تلاوت : متفق علیہ ۱۴ - مختلف فیہ ۱

کلمات : ۸۶۴۳۰ — حروف : ۳۲۳۶۷۱

منازل کی تقسیم :

سورہ فاتحہ	تا	سورۂ نساء
سورۂ مائدہ	تا	سورۂ توبہ
سورۂ یونس	تا	سورۂ نحل
سورۂ بنی اسرائیل	تا	سورۂ فرقان
سورۂ شعراء	تا	سورۂ یٰس
سورۂ والصّٰفّٰت	تا	سورۂ حجرات
سورۂ قٓ	تا	سورۂ والناس

مضامین :

علم عقائد — علم احکام

تذکیر باللہ — تذکیر بایام اللہ

تذکیر بالموت و ما بعد الموت

اقسام آیات :

آیات وعدہ : ۱۰۰۰	آیات وعید : ۱۰۰۰
آیات نہی : ۱۰۰۰	آیات امر : ۱۰۰۰
آیات مثال: ۱۰۰۰	آیات قصص: ۱۰۰۰
آیات تحلیل: ۲۵۰	آیات تحریم : ۲۵۰
آیات تسبیح : ۱۰۰	آیات متفرقہ: ٦٦

تفصیل حرکات (اعراب) :

ضمات(پیش)	۸۸۰۴	فتحات(زبر)	۵۳۲۲۳
کسرات(زیر)	۳۹۵۸۲	مدات(مد)	۱۷۷۱
تشدید(شد)	۱۲۷۴	نقاط(نقطے)	۱۰۵۶۸۴

تفصیل حروف تہجی :

ا	۴۸۸۷۲	ب	۱۱۴۲۸
ت	۱۱۹۹	ث	۱۲۷۶
ج	۳۲۷۳	ح	۹۷۳
خ	۲۴۱۶	د	۵۶۰۲
ذ	۴۶۷۷	ر	۱۱۷۹۳
ز	۱۵۹۰	س	۵۹۹۱
ش	۲۱۱۵	ص	۲۰۱۲
ض	۱۳۰۷	ط	۱۲۷۷
ظ	۸۴۲	ع	۹۲۲۰
غ	۲۲۰۸	ف	۸۴۹۹
ق	۶۸۱۳	ک	۹۵۰۰
ل	۳۴۳۲	م	۳۶۵۳۵
ن	۴۰۱۹۰	و	۲۵۵۳۶
ہ	۱۹۰۷۰	لا	۳۷۲۰
ی	۴۵۹۱۹		

[ماخوذ از: المعجم المفهرس لألفاظ القران الكريم: ۷۸۳]

ضمیمہ

''برکات الترتیل'' جب تکمیل کی راہ طے کر چکی، تو احباب وتلامذہ کا پُر شوق اصرار ہوا کہ جن کی قراءت، جن کی روایت، اور جن کا طریق ہم پڑھتے ہیں ضمیمہ کے طور پر اُن جلیل القدر رجال کے کوائف واحوال بھی شامل کتاب کر دیے جائیں۔ ان کے پیہم اصرار کے باعث میں نے اثبات میں تو سر ہلا دیا، مگر جب اس موضوع پر تحقیق وتجسس اور متداول وغیر متداول کتابوں کی ورق گردانی شروع کی، تو سعی لاحاصل کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگا۔ کچھ اوراق پر اُن کے احوال بکھرے ملے بھی تو ایسے مختصر کہ دو چند سطروں میں سمیٹ دیے گئے تھے۔ الغرض! اپنے محدود مطالعہ کے دوران مجھے عربی وفارسی اور اُردو کے ذخیرہ میں کوئی ایسی کتاب نظر نہ آئی، جس میں ان بزرگوں یا کم از کم کسی ایک کے متعلق ہی سیر حاصل گفتگو کی گئی ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ جس طرح لوگوں نے فن تجوید وقراءت کے سلسلے بے اعتنائی برتی اور اس کے ساتھ سوتیلا برتاؤ کیا، کچھ یہی معاملہ اُس کے رجال وشیوخ کی سیرت وسوانح کے سلسلہ میں بھی روا رکھا گیا۔ اور آج حال یہ ہے کہ ان کے حالات سے آگاہی کے لیے تفتیش بسیار کے باوجود تسبیح نامرادی کے دانے گننے پڑ رہے ہیں۔ چودہ سو سال کا غیر معمولی عرصہ بیت جانے کے بعد بھی امام عاصم کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تاریخ ولادت کے سلسلہ میں تمام مؤرخوں کے قلم مہر بہ لب ہیں۔ ماضی قریب کے کچھ تذکرہ نویسوں نے قیاساً وتخمیناً آپ کی پیدائش کا سال ۴۵ھ تجویز کیا ہے۔

ذیل کی سطروں میں ''ذکر اِمام عاصم کوفی'' - ''تذکرۂ اِمام حفص کوفی'' - اور ''احوالِ امام شاطبی'' کے عنوان سے تینوں ائمہ کرام کے احوال بہ توفیق الٰہی بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اب ورق الٹیے اور تاریخ قاریانِ عظام کے مطالعہ سے دیدہ ودل کی سیرابی کا سامان کیجیے۔ وَمَا توفیقی الا باللہ و ھو نعم الوکیل ۔

ذکر امام عاصم کوفی رحمہ اللہ

کوفہ کی سرزمین اپنے گونا گوں اوصاف اور بوقلموں خصوصیات نیز فقہ وادب، حدیث ولغت اور قراءت میں اپنی مرکزیت اور علمی امتیاز کے باعث ہمیشہ سے ارباب دانش وبینش کی توجہ کا مرکز رہی ہے۔اس عظیم ترین خدمت کا تقاضا یہ ہے کہ چمنستان کوفہ کے لالہ وگل کی خوشبوؤں سے مشتاقانِ علم اور شیفتگانِ حقیقت کے مشام جاں معطر کیے جائیں۔

فقہ وحدیث اور نحو ولغت کی اشاعت میں کوفہ کے علما وفضلا کا امتیازی مقام اپنی جگہ مگر علم قرآن وفن قراءت کی توسیع کے حوالے سے قرائے کوفہ کی بے لوث خدمات اپنی مثال آپ ہیں۔قراءت عشرہ کے ایک امام خلف بزار بھی کوفی ہی ہیں۔ بڑی بات یہ ہے کہ ائمہ سبعہ فی القراآت میں سے تین جلیل القدر ائمہ اسی مردم خیز خطہ سے اُٹھے ہیں۔یعنی حضرت امام عاصم کوفی، امام حمزہ زیات کوفی اور امام کسائی کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

علامہ شاطبی نے انھیں تینوں اماموں کا ذکر ”قصیدۂ لامیہ“ میں یوں کیا ہے :

و بالکوفۃ الغراء عنھم ثلاثۃ ☆ أذاعوا فقد ضاعت شذا و قرنفلاً

یعنی (علم وادب کے درخشندہ شہر) کوفہ میں (قرائے سبعہ میں سے) تین قراء ایسے ہوئے ہیں جنھوں نے (کوفہ میں) علم کو پھیلایا، تو (اس کی برکت سے) خطہ کوفہ عود اور قرنفل (لونگ) کی خوشبو کی مانند مہک اٹھا۔

سردست ہم یہاں فنِ قراءت میں اپنے امام یعنی گلستانِ کوفہ کے ایک مہکتے شگوفہ امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا ذکر مختصراً کرنا چاہیں گے، جن کی قراءت شرق وغرب خصوصاً عراق وشام، ترکی وافغانستان، ہندستان وپاکستان، چین وجاپان، برطانیہ وبنگلہ دیش وغیرہ اور زیادہ تر بلادِ مصریہ میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔

آپ کا نام عاصم بن ابی النجود (ابن بہدلہ) اور کنیت ابوبکر ہے، مولداً وموطناً آپ اسدی وکوفی اور جلیل القدر تابعی ہیں۔ علی القیاس آپ کی تاریخ پیدائش ۴۵ھ بتائی جاتی ہے۔ آپ صحابی رسول حضرت حارث بن حسان کی صحبت سے فیض یاب ہوئے جب کہ بنی بکر کے وفد کا قاصد بن کر حضرت حارث کے پاس جانا ہوا تھا۔ آپ نے کبارِ تابعین میں شیخ القراء ابوعبد الرحمٰن عبداللہ بن حبیب سلمی، حضرت ابومریم زِرّ بن حُبَیش اسدی اور حضرت سعد بن الیاس شیبانی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے قرآن حکیم پڑھا۔ (یہ تینوں حضرات کوفی اور پائے کے تابعی ہیں)۔ ان تینوں نے حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین سے -- اور ان نفوسِ قدسیہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شرف قراءت حاصل کیا۔ نیز حضرت امام عاصم کو سیدنا علی مرتضیٰ، ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابت سے بھی قرآن کریم پڑھنے کا شرف حاصل ہے۔ اس طرح آپ کی قراءت ایک ہی واسطہ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچ جاتی ہے۔

حضرت ابوبکر بن مجاہد نے امام عاصم کو ائمہ قراء سبعہ کی ترتیب میں پانچویں نمبر پر رکھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ چوتھے قاری حضرت امام ابن عامر شامی کی طرح آپ کبارِ تابعین میں سے ہیں۔ آپ کی سند چونکہ عالی اور بلند ہے اور بہ لحاظ شیوخ وطبقات ابن عامر شامی کے بعد آپ سب سے مقدم ہیں۔ اس لیے چھٹے اور ساتویں قاری امام حمزہ زیات کوفی اور امام ابوالحسن کسائی سے پہلے بیان کی جاتی ہے۔

حضرت امام عاصم کوفی رحمۃ اللہ علیہ بڑے فصیح و بلیغ، زبردست تجوید داں، ضبط واتقان کے جامع اور زہد وورع میں یگانۂ روزگار تھے۔ طریقۂ ادا اور لحن ولہجہ عجیب تھا اور خوش الحانی میں تو اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ قرآن وحدیث، فقہ ولغت اور صرف ونحو میں بلا کا درک رکھتے تھے۔ قرآن اس عمدگی اور خوش آوازی سے پڑھتے کہ سننے والے پر کیف ووجد کا سماں بندھ جاتا اور وہ کلام الٰہی کے معانی کی بے کراں وسعتوں میں کھو سا جاتا۔ عبادت وریاضت آپ کی زندگی کا خصوصی وظیفہ تھا۔ نمازیں بکثرت پڑھتے اور جمعہ کے دن نماز عصر تک جامع مسجد ہی میں قیام پذیر رہتے تھے۔ علم وحکمت کے شہر کوفہ میں آپ مسلسل پچاس برس تک مسند تدریس پر فائز و متمکن رہے۔

ارباب دانش کی نظر میں :

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام عاصم صاحب قراءت ہیں اور میں ان کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔

حضرت صالح بن احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے امام عاصم کے متعلق اپنے والد (امام احمد بن حنبل) سے دریافت کیا تو فرمایا: **رجل صالح ثقة** (وہ ایک نیک اور معتمد شخص ہیں)۔ میں نے پھر پوچھا کہ آپ کے نزدیک سب سے بہتر قراءت کس کی ہے؟ فرمایا: **قراءة اهل المدينة ، فان لم يكن فقراءة عاصم** (مدنی قراءت ورنہ امام عاصم کی)۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا: **اهل الكوفة يختارون قراء ته و انا اختارها.** (اہل کوفہ انھیں کی قراءت اختیار کرتے ہیں اور مجھے بھی وہی پسند ہے)

حضرت ملا علی قاری 'شرح شاطبیہ' میں فرماتے ہیں: فالامام ابوبکر عاصم بن ابی النجود کان اماما فی الکتاب والسنة لغویا، فقیهاً، تابعیا لحق الحارث بن حسان حین وافد بنی بکر وکانت له صحبة وکان عاصم عابدا کثیرا الصلوٰة ، یلازم الجامع یوم الجمعة حتیٰ یصلی العصر وکان فی حسن الصوت غایة وفی الفصاحة نهایة ۔امام ابوبکر عاصم بن ابوالنجود قرآن وسنت، نحو ولغت اور فقہ میں امام تھے، اور جلیل القدر تابعی بھی۔آپ کو (صحابی رسول) حضرت حارث بن حسان کی صحبت حاصل ہے جب قبیلہ بنوبکر کے قاصد بن کر آپ کے پاس گئے تھے۔آپ عابد وزاہد اور کثیر الصلوٰۃ تھے۔جمعہ کے دن عصر کی نماز تک جامع مسجد میں بالالتزام ٹھہرتے۔خوش آوازی اور فصاحت وبلاغت میں اپنی نظیر آپ تھے۔

حضرت علامہ عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام عاصم صاحب سنت وقراءت، ثقہ، اور رئیس القراء تھے۔

حضرت ابواسحاق ربیعی رحمۃ اللہ علیہ تو بار بار فرماتے تھے: میں نے عاصم سے بہتر قاری نہیں دیکھا، عاصم سے زیادہ قرآن کا عالم کوئی نہیں۔

حضرت حافظ ابوشامہ رحمۃ اللہ علیہ ''ابراز'' میں فرماتے ہیں: ابوبکر عاصم بن ابی النجود احد السادة من ائمة القراء ة والحدیث ۔حضرت ابوبکر عاصم بن ابوالنجود بلند پایہ ائمہ قراءت وحدیث میں سے ایک ہیں۔

حضرت علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ 'معرفۃ القراء' میں فرماتے ہیں: حدیثه مخرج فی الکتب الستة۔ان کی حدیثیں صحاح ستہ میں تخریج کی گئی ہیں۔

حضرت یحییٰ بن صالح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ما رأیت افصح من عاصم میں نے عاصم سے فصیح وبلیغ کسی کو نہ دیکھا۔

حضرت مسلمہ بن عاصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کان عاصم ذا نسک وادب وفصاحۃ وصوت حسنٍ ۔امام عاصم فضل وکمال، فصاحت وبلاغت اور اچھی آواز کے مالک تھے۔

حضرت علامہ ہیثمی نے 'مجمع الزوائد' میں امام عاصم کو''حسن الحدیث'' لکھا ہے۔

آپ کے سن وفات کے سلسلے میں حضرت ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مات بالکوفۃ او السماوۃ وھو موضع بالبادیۃ بین الشام والعراق من ناحیۃ الفرات سنۃ سبع و عشرین و مائۃ .

۱۲۷ھ میں (خلافت مروان کے اواخر عہد میں) شام وعراق کے درمیان فرات کے نواح کوفہ یا سماوت میں آپ نے وفات پائی۔

امام عاصم کے مشہور راوی ابوبکر شعبہ بن عیاش فرماتے ہیں: دخلت علی عاصم وھو فی الموت فاغمی علیہ فافاق فقرأ'' ثُمَّ رُدُّوْا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ........... '' ۔یعنی میں ایسے وقت امام عاصم کے پاس حاضر ہوا جب وہ موت وحیات کے درمیان معلق تھے، افاقہ ہوتے ہی اس آیت کی تلاوت شروع کردی'' ثُمَّ رُدُّوْا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ '' جب وہ پڑھ رہے تھے ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے محراب کے اندر سنا رہے ہیں۔

آپ کے بے شمار رُواۃ اور تلامذہ ہیں۔ مثلاً مفضل، حماد اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرہ۔لیکن ان کے راویوں میں غیر معمولی شہرت صرف دو اقبال مندوں کو نصیب ہوئی: (۱) امام ابوبکر شعبہ بن عیاش (۲) امام حفص بن سلیمان۔ان دونوں میں آفاقی مقبولیت موخر الذکر کو میسر ہوئی۔

تذکرۂ امام حفص کوفی رحمہ اللہ

امام عاصم تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خرمن علم سے اکتساب فیض و نور کرنے والے سعادت مندوں میں امام حفص علیہ الرحمہ کا نام سرفہرست ہے۔ یہی وہ تلمیذ رشید ہے جس نے اپنے خلوص محکم اور سعی مسلسل کی بنیاد پر قراءتِ امام عاصم کو دنیا کے چپے چپے میں پہنچادیا، آج کاخ وایوان اور دشت وچمن قراءتِ عاصمی کی دھمک سے گونج رہے ہیں۔

آپ ابوعمرو کنیت رکھتے تھے اور حفص بن سلیمان بن مغیرہ بزاز کوفی نام تھا۔ کوفہ کی سرزمین پر ۹۰ھ میں تولد کے شرف ومجد سے ہمکنار ہوئے۔ آپ نے امام عاصم کوفی سے متعدد بار قرآن مجید پڑھا۔ ان کے تمام رُواۃ وتلامذہ میں سب سے زیادہ قوی الحافظہ تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو قوت حافظہ ایسا بلا کا عطا فرمایا تھا کہ جو کچھ اپنے استاذ سے پڑھ لیا نقش کالحجر ہو گیا، پھر بھولنے کی بات کہاں؟۔

آپ کی سند نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک صرف تین واسطوں سے پہنچ جاتی تھی۔ جسے ذیل کی تفصیل سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔

> حضرت حفص نے امام عاصم بن ابی النجود کوفی تابعی سے' انھوں نے حضرت ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب السلمی اور حضرت ابومریم زِر بن حبیش سے' پھر ان میں سے امام عبداللہ بن حبیب سلمی نے حضرت

عثمان بن عفان، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم (ان پانچ صحابہ) اور امام زر بن حبیش نے حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے اوران سب نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑھا۔ (التیسیر للدانی بحوالہ معلم التجوید: ٤٥)

امام محقق ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق اس سے ذرا کچھ ہٹ کر ہے، آپ نے اس کی تفصیل یوں بیان فرمائی ہے :

امام عاصم کے تین شیوخ ہیں، اور تیسرے شیخ کا نام ابوعمرو سعد بن الیاس شیبانی ہے۔ (پھر فرمایا کہ) ان تینوں حضرات نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے اکتساب قراءت کیا ہے۔ پھر ان تین میں سے سلمی اور زر نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی پڑھا ہے۔ اور سلمی نے ان تین کے علاوہ حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے بھی پڑھا ہے۔ (النشر: ١/١٥٥)

خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب سلمی نے تو حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت اُبی اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اور ان پانچ صحابہ سے اور حضرت زر بن حبیش نے حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود۔ ان تین سے اور حضرت ابوعمرو سعد بن الیاس شیبانی نے صرف عبداللہ بن مسعود سے پڑھا ہے۔ اور ان پانچوں صحابہ نے خود بارگاہِ رسالت سے خوشہ چینی کی ہے۔ واللہ اعلم و علمہٗ اتم و احکم..

آپ امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کے ربیب تھے۔ آپ نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کپڑے کی تجارت بھی کی ہے۔

ارباب دانش کی نظر میں :

آپ کے فضائل ومحامد میں علمائے اعلام کے بہت سارے اقوال نظرافروز ہوئے ہیں مگر ہم طوالت کے خوف سے ان میں سے چند کے بیان ہی پر اکتفا کریں گے۔

ابن معین فرماتے ہیں :

حفص وشعبہ، عاصم کی قراءت میں اعلم الناس تھے۔

پھر آگے فرماتے ہیں :

امام حفص، ابوبکر شعبہ سے زیادہ بحر قراءت کے شناور تھے۔

علامہ ذہبی فرماتے ہیں :

حفص، قراءت میں ثقہ ضابط تھے۔

فضل وکمال کا یہ نیر تاباں ۱۸۰ھ میں غروب ہوگیا۔

ان کی روایت بلادِ مغرب کے علاوہ تمام ممالک عرب وعجم میں خصوصیت کے ساتھ رائج ہے، اور برصغیر ہندو پاک کے مدارس ومعاہد تو اس کی برکت سے خوب خوب نہال ہیں اور ان میں بھی صرف یہی روایت پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔ اب ہم اسے خداداد قبولیت کے سوا اور کیا نام دیں کہ صدیاں گزر گئیں، مگر آج بھی مکاتب ومدارس اور علمی مراکز میں صرف امام حفص رحمۃ اللہ علیہ کی روایت پڑھائی جاتی ہے۔ اور روے زمین پر ایک ہزار حفاظ میں سے تقریباً نو سو ننانوے کو صرف یہی روایت حفص یاد ہے۔ شاید ایسے لوگ خال خال نظر آئیں جنھوں نے یہ روایت نہ پڑھی ہو۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء ۔

احوالِ امام شاطبی رحمہ اللہ

اندلس کے ایک مردم خیز شہر 'شاطبہ' سے علم وفضل کے کئی آفتاب وماہتاب چرخ عالم پر ضوفگن ہوئے، اور اپنے فضل وکمال کی تابشی کرنیں اور دودھیا چاندنی بکھیر کر جوارِ رحمت الٰہی میں روپوش ہوگئے۔ ان ہی نابغہ روزگار ہستیوں میں ابوالقاسم بن فیرُہ بن خلف بن احمد الشاطبی الرعینی الضریر کی محترم ذات بھی تھی۔ آپ کی ولادت 'شاطبہ' کے اندر قریباً ۵۳۸ھ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر کے روحانی ماحول میں پائی، اور قراءت کے ابتدائی مراحل بھی اپنے شہر مالوف ہی میں حضرت عبداللہ محمد بن العاص نفزی کے پاس طے کیے۔ اور اس فن میں خوب ضبط واتقان حاصل کیا۔ روزافزوں تشنگی کی سیرابی کا سامان کرنے کے لیے متعدد شہروں کے پُر درد سفر کو بہ ہزار خوشی قبول کیا۔ ان اسفار میں شہر بلنسیہ کا قصد سفر خصوصیت کا حامل ہے کہ جہاں آپ نے وقت کی عظیم وجلیل شخصیت ابوالحسن علی بن ہذیل بلنسی کی خدمت میں اپنا کشکول شوق بڑھادیا، اور سیراب ہوکر اُٹھے۔ یہاں کے دورانِ قیام آپ نے التیسیر حفظ کی، قراءت سنائی۔ اور ساتھ ہی ابن ہذیل سے درس حدیث بھی لیا اور روایت بھی کی۔

حضرت امام شاطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صرف امام قراءات ہی نہیں تھے بلکہ باکمال مفسر، رمزشناس محدث اور ماہر نحو وصرف ولغت بھی تھے۔ تقویٰ وطہارت کے دھنی تو تھے ہی، خاشع ومتضرع بھی بہت تھے۔ ولی اللہ کے لقب سے یاد کیے جاتے رہے۔ آپ کے بارے میں ابن خلکان کا تاثر پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے :

کان عالما بکتاب اللہ تعالیٰ قراءۃً و تفسیراً وبحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبرزاً فیہ ، و کان اذا قرء علیہ البخاری ومسلم والموطأ تصحح النسخ من حفظہ ویملی النکت علی المواضع التی یحتاج الیھا و کان اوحد زمانہ فی علم النحو واللغۃ عارفاً بعلم الرؤیا ، حسن المقاصد فیما یقول و یفعل . (ابن خلکان:۱/۴۲۲)

یعنی (علامہ شاطبی) قراء ت میں مہارت وبراعت کے ساتھ ساتھ تفسیر قرآن میں بھی گہرا ادرک رکھتے تھے۔احادیث نبویہ کے علوم ومعارف میں امتیازی شان رکھتے تھے۔اور یہ امتیاز ایسا غیر معمولی تھا کہ جب بخاری ومسلم وموطا ان کے پاس پڑھی جاتی تو اپنی خداداد قوت حافظہ سے نسخوں کی تصحیح کراتے ،اوراسی ذیل میں حسب ضرورت سند ومتن کے تعلق سے نکات بھی املا کراتے جاتے تھے۔علم نحو وصرف میں یکتائے روزگار تھے۔تعبیر خواب کا بھی علم رکھتے تھے،اوراپنے قول وفعل میں بہترین مقاصد (یعنی رضائے الٰہی واخلاص) پیش نگاہ رکھتے تھے۔

اس کے بعد آپ عازمِ حرمین طیبین ہوئے،اس سفر میں بھی طلب علم کے سچے تجسس نے آپ کو اسکندریہ میں حضرت ابوطاہر سلفی وغیرہ کی بارگاہ میں بغرض سماع پہنچایا۔وہاں سے مصر کا قصد فرمایا۔قاضی مصر آپ کی جلالت قدر اور عظمت شان پہلے ہی سن چکا تھا چنانچہ اس نے زبردست اکرام وتعظیم کا معاملہ کیا اور قاہرہ میں 'درب الموخیہ' کے مقام پر اپنے قائم کردہ مدرسہ میں سب سے اعلیٰ مقام پر آپ کو فائز کردیا۔

مصر کی آب وہوا آپ کو لگ گئی،اور یہاں کا علمی وادبی ماحول آپ کو راس آگیا چنانچہ اسی کو اپنا وطن سمجھ کر یہیں کے ہوکر رہ گئے۔اسی شہرستانِ علم وفضل میں اقامت پذیری کے زمانے میں آپ نے اپنے شہرۂ آفاق قصائد ''قصیدہ لامیہ''اور''قصیدہ رائیہ'' کو تکمیل کی منزل تک پہنچایا۔آپ کی تصانیف میں قصیدہ لامیہ غیر معمولی شہرت

کا حامل ہے، جس کی مجملاً و مفصلاً سیکڑوں سے زیادہ شرحیں تحریر کی جا چکی ہیں۔ قصیدہ رائیہ، قصیدۃ ناظمۃ الزھر، اور قصیدہ دالیہ وغیرہ آپ کی مقبول و مشہور تصانیف ہیں۔

جس وقت آپ نے علم و فضل کی بساط بچھائی اور تعلیم و تدریس کی مسند سجائی، تو آپ کی عبقریت و آفاقیت کا شہرہ سن کر گوشہ ہائے عالم سے علم کے متوالے جوق در جوق مانند پروانہ آپ پر ٹوٹ پڑے، اور شرف تلمذ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے سفر کی طوالت و مشقت کی بھی پرواہ نہ رہی۔ آپ سے اکتسابِ فیض کرنے والے سعادت مندوں کی ایک لمبی فہرست ہے، مگر طوالت کے سبب ہم اس کے بیان سے صرف نظر کرتے ہیں۔

علامہ شاطبی کی رفعت شان اور آپ کی قدر و منزلت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ محقق فن علامہ ابن جزری نے قصیدہ لامیہ کی شان میں جو وقیع الفاظ والہانہ و فراخ دلانہ انداز میں استعمال کیے ہیں شاید ہی کسی عالم اور مقری کے لیے کیے ہوں۔ لیجیے آپ بھی سنیے :

من وقف علی قصیدته (اللامیه و الرائیه) علم مقدار ما آتاه الله تعالیٰ فی ذالک خصوصاً اللامیه التی عجز البلغاء من بعده عن معارضتها فانه لا یعرف مقدارها الا من نظم علی منواله او قابل بینها وبین ما نظم علی طریقها و لقد رزق هٰذا الکتاب من الشهرة والقبول مالا اعلمه للکتاب غیره فی هٰذا الفن الخ

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے علامہ شاطبی کو اس فن میں جو مقام و مرتبہ بخشا ہے اس کا علم اسی کو ہو سکتا ہے جو ان کے دونوں قصائد (لامیہ و رائیہ) سے واقفیت رکھتا ہو، خصوصاً قصیدۂ لامیہ کہ آپ کے بعد اس قصیدہ کے مقابلے میں بڑے بڑے فصحا و بلغا نے برملا اپنے عجز کا اعتراف و اظہار کیا ہے۔ یہ عدیم النظیر قصیدہ اپنے طرزِ بیان اور قدرت علی الکلام کے باعث بلندی کے اس مقام پر فائز ہے

کہ اسے ہر کس و ناکس سمجھ نہیں سکتا۔ اس کی حقیقت کا عرفان اسے ہی نصیب ہوگا جو ان کے طرز و انداز پر لکھنے کا ارادہ کرے اور پھر مقابلہ کر کے دیکھے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے جو شرف و شہرت اس قصیدہ کو عطا ہوئی میرے علم میں کسی اور کتاب و قصیدہ کو نہیں مل سکی، نہ صرف فن قراءت میں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس کے علاوہ کسی اور فن کے قصیدے میں یہ مقام و مقبولیت حاصل نہیں ہوئی (تو بے جا نہ ہوگا) میرے خیال میں کوئی بھی اسلامی شہر اس قصیدہ سے خالی نہ ہوگا بلکہ میرا وجدان تو یہ کہہ رہا ہے کہ کسی طالب علم کا گھر شاید ہی اس سے خالی ہو۔

امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا یہ قصیدہ ختم کرنے کے بعد بیت اللہ شریف کے بارہ ہزار طواف کیے اور جب جب اماکن دعا پر پہنچتے دورانِ طواف اس دعا کا خاص اہتمام والتزام فرماتے: **اللّٰھم فاطر السمٰوات الأرض عالم الغیب والشھادۃ رب ھذا البیت العظیم انفع کل من قرأھا۔**

نیز اس کے متعلق ایک یہ بھی روایت ملتی ہے کہ علامہ شاطبی نے سرکارِ دوجہاں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور سامنے کھڑے ہو کر ادب کے ساتھ سلام کیا اور عرض کیا، اے میرے آقا! اس قصیدہ کو ملاحظہ فرمائیے۔ یہ سن کر آپ نے اس قصیدہ کو اپنے مبارک ہاتھوں میں لیا اور فرمایا کہ یہ قصیدہ مبارک ہے جو اسے یاد کرے گا جنت میں داخل ہوگا۔ علامہ قرطبی نے اس میں یہ اضافہ فرمایا ہے: **بل من مات و ھی فی بیتہ دخل الجنۃ** .یعنی جو اس حال میں مرے کہ اس کے گھر میں یہ قصیدہ ہو تو وہ جنت میں داخل کیا جائے گا۔

آپ نے حیات مستعار کی باون بہاریں دیکھیں۔ اور ۲۸/ جمادی الآخرہ ۵۹۰ھ میں قاہرہ میں واصل بحق ہو گئے۔ 'قرافہ صغریٰ' میں مرادوں کی برآری کے لیے آپ کی قبر مشہور ہے۔ حضرت ابن جزری فرماتے ہیں کہ میں نے ان کی قبر کے پاس قبولیت دعا کی برکت کھلے طور پر محسوس کی۔

کتابیات:

اس کتاب کی ترتیب کے دوران بہتیری کتابیں زیرِ مطالعہ رہیں مگر جن کتابوں سے بطورِ خاص مدد لی گئی اور استفادہ کیا گیا، ان کے اسمایہ ہیں :

⊙ قرآن کریم.

⊙ کنز الایمان فی ترجمة القران: امام احمد رضا قادری محدث بریلوی [۱۳۴۰ھ]

⊙ تفسیر خزائن العرفان: صدرالافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی [۱۳۶۸ھ]

⊙ المعجم المفهرس لألفاظ القران الکریم : محمد فواد عبدالباقی

⊙ تفسیر درّ منثور: امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی [۹۱۱ھ]

⊙ تفسیر کشاف: ابوالقاسم محمد بن عمرو زمخشری [۵۲۸ھ]

⊙ تفسیر ابن کثیر : حافظ عماد الدین ابوالفداء اسمٰعیل ابن کثیر [۷۷۴ھ]

⊙ تفسیر قرطبی: ابوعبداللہ محمد بن احمد ابی بکر قرطبی [۶۷۱ھ]

⊙ تفسیر ابوالسعود: ابومحمد حسین بن مسعود بغوی شافعی [۵۱۶ھ]

⊙ تفسیر معالم التنزیل: ابومحمد حسین بن مسعود بغوی شافعی [۵۱۶ھ]

⊙ تفسیر مدارک التنزیل: ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی [۷۱۰ھ]

⊙ تفسیر روح المعانی: علامہ سید شہاب الدین آلوسی بغدادی [۱۲۷۰ھ]

⊙ تفسیر روح البیان: ابوالفداء شیخ اسمٰعیل حقی بروسوی [۱۱۳۷ھ]

⊙ تفسیر رازی: امام فخر الدین محمد بن عمر رازی [۶۰۶ھ]

⊙ تفسیر خازن: امام علاء الدین علی بن محمد بغدادی معروف بہ خازن [۷۴۱ھ]

⊙ تفسیر مظهری: قاضی محمد ثناء اللہ مظهری پانی پتی [۱۲۲۵ھ]

⊙ الاتقان فی علوم القرآن: امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی [۹۱۱ھ]

⊙ تفسیر ضیاء القرآن: علامہ پیر کرم شاہ ازہری پاکستان [۱۹۹۸ء]

⊙ حاشیہ کمالین بر جلالین: مولانا سلام اللہ رامپوری [۱۲۳۳ھ]

⊙ صحیح بخاری: امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری [۲۵۶ھ]

⊙ فتح الباری: ابوالفضل احمد بن علی معروف بہ ابن حجر عسقلانی [۸۵۲ھ]

⊙ عمدۃ القاری: بدرالدین محمود بن احمد عینی [۸۵۵ھ]

⊙ صحیح مسلم: امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج قشیری [۲۶۱ھ]

⊙ سنن ابن ماجہ: امام عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی [۲۷۳ھ]

⊙ سنن ابی داؤد: امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث [۲۷۵ھ]

⊙ جامع ترمذی: امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی [۲۷۹ھ]

⊙ سنن نسائی: امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی [۳۰۳ھ]

⊙ سنن دارمی: امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی [۲۵۵ھ]

⊙ مشکوٰۃ المصابیح: شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی العراقی [۷۴۲ھ]

⊙ شعب الایمان: ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی [۴۵۸ھ]

⊙ السنن الکبریٰ للبیہقی: ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی [۴۵۸ھ]

⊙ کنز العمال: امام علاءالدین علی المتقی بن حسام الدین ہندی برہانپوری [۹۷۵ھ]

⊙ المستدرک: امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم نیشاپوری [۴۰۵ھ]

⊙ مسند امام احمد بن حنبل: امام احمد بن محمد بن حنبل شیبانی [۲۴۱ھ]

⊙ المعجم الاوسط: امام سلیمان بن احمد طبرانی [۳۶۰ھ]

⊙ الترغیب والترہیب: امام زکی الدین عبدالعظیم منذری [۶۵۶ھ]

⊙ التمہید: یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر اندلسی [۴۶۳ھ]

⊙ حلیۃ الاولیاء: ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی [۴۳۰ھ]

- اتحاف السادة المتقین : سید محمد بن محمد مرتضیٰ زبیدی [۱۲۰۵ھ]
- مجمع الزوائد : امام نور الدین علی بن ابی بکر ہیثمی [۸۰۷ھ]
- شرح السنة للبغوي : امام حسین بن منصور بغوی [۵۱۶ھ]
- البداية والنهاية : حافظ عماد الدین ابو الفداء اسمٰعیل ابن کثیر [۷۷۴ھ]
- الدر المختار : امام علاء الدین محمد بن علی حصکفی [۱۰۸۸ھ]
- فتاویٰ رضویه : امام احمد رضا قادری محدث بریلوی [۱۳۴۰ھ]
- أحسن الوعاء لآداب الدعاء : علامہ نقی علی خاں قادری بریلوی [۱۲۹۷ھ]
- ذیل المدعا لأحسن الوعاء : امام احمد رضا قادری محدث بریلوی [۱۳۴۰ھ]
- جامع الأحاديث : مولانا محمد حنیف خاں رضوی۔ جامعہ نوریہ، بریلی شریف۔
- سراج القاری : ابو القاسم علی بن عثمان معروف بابن القاصح بغدادی [۸۰۱ھ]
- نهاية القول المفيد : شیخ مکی المصری
- غیث النفع فی اجراء السبع : ولی اللہ سیدی علی نوری صفاقسی
- البدور الزاهره : قاضی عبد الفتاح بن عبد الغنی [۱۴۰۳ھ]
- منار الهدیٰ فی الوقف والابتداء : احمد بن محمد عبد الکریم اشمونی
- القصیدة الشاطبیة : ابو القاسم بن فیرہ الشاطبی الرعینی الضریر [۵۹۰ھ]
- المقدمة الجزرية : امام شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری [۸۳۳ھ]
- المنح الفکریه : ملا علی قاری بن سلطان محمد ہروی [۱۰۱۴ھ]
- تیجان القاری و سراجُ المبتدی : قاری حسن بن احمد ملیباری
- حیات اعلیٰ حضرت : ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری [۱۳۸۲ھ]
- تدوینِ قرآن : علامہ محمد احمد مصباحی۔ شیخ الجامعہ، جامعہ اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ
- معلم الأداء فی الوقف و الابتداء.
- عنایات رحمانی۔

⊙ معلّم التجوید للمتعلم المستفید : مولانا قاری مقری محمد شریف لاہور
⊙ علم التجوید : مولانا قاری مقری محمد غلام رسول لاہور
⊙ خلاصة البیان : مولانا قاری مقری ضیاء الدین احمد الہ آبادی [۱۳۷۱ھ]
⊙ فتح الرحمن شرح خلاصة البیان ۔
⊙ فوائد مکیہ : مولانا قاری مقری محمد عبدالرحمٰن مکی ثم الہ آبادی [۱۳۴۹ھ]
⊙ حواشی مرضیہ : مولانا قاری مقری ابن ضیاء محبّ الدین الہ آبادی [۱۴۰۲ھ]
⊙ تعلیقات مالکیہ ۔
⊙ لمعات شمسیہ : مولانا قاری یوسف سیالوی
⊙ ضیاء القراء ت : مولانا قاری مقری ضیاء الدین احمد الہ آبادی [۱۳۷۱ھ]
⊙ تنویر المرأت : مولانا قاری مقری ابن ضیاء محبّ الدین الہ آبادی [۱۴۰۲ھ]
⊙ معرفة الرسوم : مولانا قاری مقری ابن ضیاء محبّ الدین الہ آبادی [۱۴۰۲ھ]
⊙ معرفة الوقوف : مولانا قاری مقری ضیاء الدین احمد الہ آبادی [۱۳۷۱ھ]
⊙ جامع الوقف : مولانا قاری مقری ضیاء الدین احمد الہ آبادی [۱۳۷۱ھ]
⊙ ضیاء الترتیل : علامہ مولانا قاری مقری احمد ضیاء ازہری [۲۰۰۱ء]
⊙ نعیم الترتیل : مولانا قاری مقصود عالم نعیمی اشرفی

یقول محمّد افروز قادری جریاکوتی- منح مناه و أوتي - هذا ما وفقني اللّٰه تبارک و تعالیٰ و أعانني علیه من وضع هذا الکتاب الذي دأبتُ في ترتیبه و تهذیبه و مراجعته بکل ما في وسعي و طاقتي و ﴿ لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً اِلَّا مَا آتٰهَا ﴾ [طلاق : ۷] .

و اني أسئل اللّٰه سبحانه و تعالیٰ أن یجعل عملي هذا و جهدي خالصا لوجهه الکریم و هدیة الیٰ جناب سیدي رسول اللّٰه العظیم أنجو به من نار الجحیم و ما توفیقي الا باللّٰه علیه توکلت و الیه أنیب . و کان الفراغ منه بفضل اللّٰه و منته و توفیقه و معونته في منتصف یوم الأربعاء الحادي عشر من جمادي الأولی عام ١٤٢٥ من الهجرة النبویة علیٰ صاحبها السلام والتحیة ، الموافق شهر یونیو ٢٠٠٤ من میلاد المسیح علیه الصلوة و التسلیم .

تمّت